نصابِ تصوف

ڈاکٹر زہرہ فاروقی

© Dr. Zohra Farooqui
©ڈاکٹر زہرہ فاروقی

نام کتاب	:	نصاب تصوف
مصنفہ	:	ڈاکٹر زہرہ فاروقی
طبع اول	:	اپریل ۲۰۱۴ء
قیمت	:	-/۲۰۰ روپیہ
کمپوزنگ	:	ساجد حسین
مطبع	:	ڈائمنڈ پرنٹرس، نئی دہلی

ملنے کے پتے:

☆ D-178 ابوالفضل انکلیو۔I، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025،
فون: 9871283786-91+

☆ 20/2 ضیاء لاج، پل پرہلاد پور، اپوزٹ ہمدرد فلیٹس، نئی دہلی۔110044
فون: 9810906056-91+ / 9810703178-91+

☆ نئی کتاب پبلشرز، اوکھلا مین بازار، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025

☆ شب خوں کتاب گھر، ۳۱۳ رانی منڈی، الہ آباد (یوپی)

ناشر: اسلامک بک فاؤنڈیشن

باسمہ تعالی

کشف محجوب شیخ ہجویری

صوفیا را نصاب تحریری

نقش بر دل شدہ نوای سروش

بارک اللہ خوش تدابیری

رضوان اللہ

تقدیم

به

مادر و پدر بزرگوارم

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱۔	تعارف	۶
۲۔	دیباچہ	۱۳
۳۔	باب اول: تعریفات	۱۷
۴۔	باب دوم: احوال شیخ ہجویری	۳۱
۵۔	باب سوم: آثار شیخ ہجویری	۳۸
۶۔	باب چہارم: کشف المحجوب مقاصد و تعلیمات	۴۴
۷۔	باب پنجم: نصاب تصوف یعنی کشف المحجوب	۵۸
۸۔	مآخذ	۱۲۴

تعارف

فارسی ادب اس وقت تک قالب بیجان تھا جب تک اس میں تصوف کا عنصر شامل نہیں ہوا۔ تصوف سے پہلے جذبات کے اظہار کا بالخصوص نثر میں وجود ہی نہ تھا۔ تصوف کا اصلی مایۂ خمیر عشق حقیقی ہے جو سرتا پا جذبہ اور جوش ہے۔ عشق حقیقی کی بدولت ہی مجازی کی بھی قدر ہوئی اور اس آتش عشق حقیقی نے صوفیا کے سینہ و دل گرما دیے۔ کہیں یہ جذبات اور احساسات شعر کی شکل میں ظاہر ہوئے تو کہیں صوفیا حضرات نے نثر کو اپنی قلبی تپش کے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ شعر میں اپنے جذبات کا اظہار کرنے والوں میں سلطان ابوسعید ابوالخیر کا نام سرفہرست آتا ہے جو شیخ بوعلی سینا کے معاصر تھے۔ انہوں نے تصوف کے حقائق و مسائل کو اپنے اشعار میں بیان کیا۔ انہوں نے ۴۰۴ھ میں وفات پائی۔ ان کے بعد شعر میں صوفیانہ خیالات کے اظہار کا سلسلہ ترقی کرتا گیا چنانچہ حکیم سنائی کے بعد خواجہ فرید الدین عطارؒ نے صوفیانہ شاعری کا دائرہ وسیع کر دیا اور قصیدہ، غزل، رباعی تمام اصناف سخن تصوف اور صوفیانہ خیالات کے اظہار کا ذریعہ بن گئے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ تصوف سیکھنے سکھانے کی چیز نہیں یہ انعام ربانی ہے جو خمیر میں شامل ہوتا ہے۔ ع

صوفی نتواں بکس آموختن   درازاین خرقہ باید دوختن

خواجہ صاحب کے بعد تاتاریوں کے حملہ کے نتائج کے سبب تصوف کو مزید

عروج حاصل ہوا۔تصوف کے خاص مقامات انابت،خضوع،تضرع، رضا بالقضا، توکل خود بخود دلوں پر طاری ہونے لگے نیز تصوف میں اخلاقی مسائل بھی شامل ہوگئے۔ کیونکہ اخلاق کوتصوف سے ایک خاص تعلق ہے۔مشہور صوفی شعرا میں عراقی، سعدی، مولانا روم،محمود شبستری، امیر خسرو،حسن سجزی اور حافظ صوفیانہ خیالات کو اپنے اشعار کے ذریعہ بیان کرنے میں مشہور ہوئے ہیں۔محمود شبستری کی مثنوی ''گلشن راز جدید'' تصوف کی مشہور کتاب ہے۔ان حضرات کے بعد ہی عبدالرحمٰن جامی (۸۱۷۔۸۹۸ھ) تک بہت سے صوفی شعرا پیدا ہوئے۔

تاریخ اسلام میں ایسے بے شمار صوفیائے کرام گذرے ہیں جن کی نثری تخلیقات اور تعلیمات کتابی شکل میں محفوظ ہیں اور جو رشد و ہدایت کا سرچشمہ ہیں اور تشنگان و ہدایت طلبان کی صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔مغلیہ دور تک تصوف کے موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی جاتی رہی ہیں جو تصوف کے مختلف مسائل کو اپنے عقائد کے لحاظ سے واضح کرتی ہیں۔

پیش نظر کتاب ابوالحسن علی ہجویری کی کشف المحجوب بحیثیت نصاب تصوف ہے جو چوتھی، پانچویں صدی کے مشہور بزرگ صوفی تھے اور غالبًا شمالی ہند میں آنے والے پہلے صوفی ہیں جنہوں نے سلطان محمود غزنوی کی سپاہ کے ہمراہ آ کر اسلام کی روشنی میں اپنی تعلیمات سے ہندوستان کو منور کیا۔آپکی بزرگی اور عظمت کے

لئے یہی دلیل کافی ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ (۵۳۷-۶۳۳ھ) نے دہلی تشریف لانے سے پہلے آپ کے مزار مبارک پر چلہ کشی کی۔

حضرت ابوالحسن علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش نے اپنے زمانہ کے جید علماء سے کسب فیض کیا جن میں شیخ ابوالفضل محمد بن ابی الحسن الختلی کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ شیخ ہجویری دس سال تک سیر وسفر اور علماء ومشائخ سے استفادہ کرتے ہوئے لاہور میں آ کر مستقل سکونت اختیار کی اور رشد وہدایت اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہو گئے۔

آپ کا سال وفات ۴۶۵ھ درست معلوم ہوتا ہے جو عبدالرحمٰن جامی کے قطعہ میں شامل لفظ ''ھست'' سے برآمد ہوتا ہے۔ اور یہی سال دیگر دانشوروں نے تسلیم کیا ہے۔

تصوف کے موضوع پر عربی نثر میں کئی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن ہندوستان میں تصوف کے موضوع پر فارسی میں لکھی جانے والی پہلی کتاب کشف المحجوب ہے جو ہر دور میں مستند اور جامع تصنیف شمار ہوتی رہی ہے۔ یہ کتاب مشائخ صوفیہ کے حالات، عقائد اور مقامات پر نہایت فصیح فارسی میں لکھی گئی ہے۔ پانچویں صدی ہجری کی نثر کا عمدہ نمونہ ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت مفید اور عمدہ اخلاقی نیز صوفیانہ اقوال وحکم پر مشتمل ہے۔ جابجا عربی اشعار اور مختصر عربی جملے بھی نقل

ہوئے ہیں جو تصوف کی تعریف میں ہیں۔

تصوف کی دوسری کتابوں میں ''اسرار التوحید'' جو شیخ ابی سعید ابی الخیر کے حالات ومقامات پر ہے۔دوسری کتاب ''تذکرۃ الاولیا'' از شیخ فریدالدین عطار، چھٹی صدی ہجری کی تصنیف ہے۔معانی ومطالب اور اسلوب کے لحاظ سے کشف المحجوب سے بہت مشابہت پائی جاتی ہے اور بعض جگہوں پہ کشف المحجوب کی عین عبارتیں معمولی تغیر کے ساتھ اس میں نظر آتی ہیں۔

بہر حال جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کشف المحجوب ہندوستان میں لکھی جانے والی تصوف کے موضوع پر نثر میں پہلی کتاب ہے جو شیخ ابوسعید ہجویری غزنوی کی فرمایش پر تالیف کی گئی۔

ڈاکٹر زہرہ خاتون نے Curryculum, Syllabus اور Text پر پہلے باب میں طویل علمی بحث کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ کسی بھی مضمون کی تعلیم و تدریس کے نظام میں ایک مرکزی مقصد ہوتا ہے جسے ہم متن کہہ سکتے ہیں، اس کے گرد پہلے حلقہ کو Curriculum اور دوسرے وسیع حلقہ کو Syllabus یا نصاب اور ان حلقوں کے باہر وسیع تر فضا کو Extra Curriculam کہہ سکتے ہیں۔اس طرح یہ کہنا درست ہوگا کہ تصوف ایک علم ہے تو اس کا تدریسی ''نصاب کشف المحجوب'' ہے۔نیز اس امر کی بھی تحقیق کی جائے کہ نصاب کی تعریفات پر یہ کتاب معتبر قرار دی جاسکتی ہے یا نہیں۔

دوسرے باب میں حضرت علی ہجویری کے جو احوال دستیاب ہو سکے، درج کئے گئے ہیں اس سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت علی ہجویری کا سال وفات ۴۶۵ھ ہے اور غوث اعظم حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کا سال ولادت ۴۷۱ھ ہے یعنی علی ہجویریؒ کے سال ولادت اور حضرت عبدالقادر جیلانی کے سال ولادت کے درمیان تقریباً سو سال کا فرق ہے۔ اس زمانے تک عربی میں تو تصوف کے موضوع پر چند کتابیں لکھی گئیں لیکن فارسی میں کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔ کشف المحجوب کا اگر اس زمانے میں عربی میں ترجمہ ہوا ہوگا تو یقیناً حضرت غوث اعظم کی نظر سے گذرا ہوگا۔

باب سوم میں آپکی تصنیفات کا بیان ہے۔ آپکی بارہ تصانیف اور شعری دیوان ہے۔ جن میں شاہکار تصنیف کشف المحجوب ہی باقی ہے۔ اشعار کا دیوان تو ان کے بیان کے مطابق کوئی صاحب مستعار لے گئے لیکن واپس نہیں ملا۔ دیگر تصانیف بامرور زمانہ ناپید ہوگئیں۔ کشف المحجوب یقیناً تصوف کے موضوع پر پہلی معتبر کتاب ہے جو نثر میں لکھی گئی اور ہر دور میں صوفیا نے نیز تصوف کے طلبا نے اس سے استفادہ کیا ہے۔

چوتھے باب میں کشف المحجوب کی تصنیف کے مقاصد میں ان پچاس نکات کی تفصیل ہے جو اس کتاب کی اساس ہیں۔ یہ تمام نکات قرآن مجید اور احادیث

سے ہی اخذ کردہ ہیں۔

پانچویں باب میں کشف المحجوب کو تصوف کے تدریسی نصاب کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ تصوف کے موضوع پر پانچویں صدی ہجری کے نصف اول تک فارسی میں کوئی مستقل تصنیف موجود نہیں تھی۔ پانچویں صدی کے نصف آخر میں شیخ ہجویری نے یہ کتاب تحریر کی۔ یہ دراصل شیخ ابوسعید ہجویری (جن کی فرمائش پر یہ کتاب لکھی گئی) کے تصوف سے متعلق سوالات کے جواب علمی دلائل و براہین اور قرآنی آیات اور احادیث نبوی کی روشنی میں پیش کئے ہیں نیز تصوف کی تعلیم و تدریس کی ضرورتوں کا بھی پورا خیال رکھا گیا ہے۔

تصوف کے موضوع پر فارسی میں یہ قدیم ترین کتاب ہے جو تصوف کے اسرار و رموز کے بیان میں بلاشبہ ہر دور میں معتبر تسلیم کی گئی ہے۔

تصوف کی تعلیم و تدریس کے مقصد کے حصول کے لئے کشف المحجوب کو پندرہ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے جو تصوف کے مختلف مراحل اور مسائل کے حل سے متعلق ہیں۔ کتاب کی مصنفہ نے ہر باب کی نہایت خوبی سے تفصیل بیان کی ہے صوفیائے کرام کے بعد خلفائے راشدین، اہل بیتؑ، اصحاب صفہ، صحابہ کرام، تابعین، و تبع تابعین کا مفصل اور دل نشین انداز میں تعارف کرایا گیا ہے۔

نصاب کا ایک اہم موضوع صوفیا اور ان کے مختلف مکاتب اور فرقوں سے

ہے۔ حضرت علی ہجویریؒ کے مطابق صوفیا کے بارہ فرقے ہیں جن میں دس مقبول اور دو مردود ہیں۔ ڈاکٹر زہرہ خاتون نے نہایت جانفشانی اور دیدہ ریزی سے کشف المحجوب اور دوسری متعلقہ کتابوں کا عمیق مطالعہ کر کے یہ نہایت مفید کتاب اردو میں تصنیف کی ہے جو بلاشبہ کشف المحجوب کے سربستہ اسرار و رموز سے آشنا کراتی ہے۔

امید ہے کہ یہ کتاب تصوف سے دلچسپی رکھنے اور اس سے متعلقات کی تفصیل جاننے والوں کے علم میں اضافہ ثابت ہوگی اور ادبی حلقوں میں اس کی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔

ادریس احمد
استاد بازنشستہ
شعبۂ فارسی دہلی یونیورسٹی، دہلی

دیباچہ

سمینار، ورکشاپ، مشاعروں، مباحثوں اور دیگر مختلف النوع ادبی نشستوں اور مجلسوں کے کئی علمی فائدوں میں سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ فکر کو مہمیز ہوتی ہے اور فکری آفاق میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے فیکلٹی آف ہیومینیٹیز اینڈ لینگویجز میں شیخ علی ہجویری کے ایک ہزارویں یوم پیدائش کے موقع پر پروفیسر عزیزالدین حسین ہمدانی کی رہنمائی میں جو بین الاقوامی سمینار ہوا اس میں مجھے بھی ایک مقالہ پڑھنے کا موقع ملا، جس کا عنوان تھا ''نصاب تصوف یعنی کشف المحجوب'' حاضرین میں سے بعض اصحاب نظر نے اس عنوان کی ندرت پر پسندیدگی کا اظہار فرمایا جس سے میری بڑی حوصلہ افزائی ہوئی اور آج وہی عنوان موجودہ تصنیف کا محرک وموجب ہوا، پھر دنیائے تخیل میں شگوفہ کاریاں ہوتی رہیں اور ذہن کے کینوس پر گوناگوں نقوش مرتسم ہوتے رہے۔ دریں اثنا چند مآخذ سے رجوع کرنے کا موقع ملا اور چند مضامین سے بھی ذہنی فضا منور ہوئی۔ ان تمام کاوشوں کا حاصل کوئی سوا سو صفحات پر مشتمل ہے جسے قارئین کی نذر کرنے کی سعادت حاصل کررہی ہوں۔

اس کتاب کی تسوید کے بعد اس کی اشاعت پر حوصلہ افزائی کا موجب وہ خوشگوار تجربہ ہے جو میری پہلی تصنیف ''اودھ کے فارسی گوشعراء'' کی مقبولیت کی

صورت میں ہوا۔ وہ کتاب ۲۰۰۳ء میں شائع ہوئی تھی۔ چونکہ اس کی حیثیت ایک حوالے کی کتاب کی سی ہے اس لئے اس کی افادیت عیاں ہے، وہی اس کی مقبولیت کا سبب ہوئی۔ موجودہ تصنیف بھی کچھ ویسی ہی ہے۔ لہذا ذات باری تعالی سے امید ہے کہ اس کاوش کو بھی شرف قبولیت عطا فرمائے گا اور اصحاب فکر و نظر بھی اپنی پسندیدگی کا اظہار فرما کر حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔

یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ نصاب دراصل ہے کیا، یعنی نصاب کی تعریف کیا ہے آیا ''کشف المحجوب'' تصنیف شیخ ہجویری اس اصطلاح کے عین مطابق ہے۔ باب دوم میں شیخ ہجویری کے مختصر احوال مذکور ہیں۔ جبکہ تیسرا باب ان کی متعدد تصنیفات کا احاطہ کرتا ہے۔ باب چہارم میں کشف المحجوب کی تصنیف کے پس پشت شیخ ہجویری کے جو مقاصد وعوامل کارفرما تھے اور جس طرح کی تعلیم سے وہ ہر مومن کے دل کو منور کرنا چاہتے تھے اس کا مختصراً جائزہ ہے۔ باب پنجم اس کتاب کا آخری اور سب سے اہم باب ہے جو تصوف کے نصاب کا مکمل طور پر احاطہ کرتا ہے یا پھر یوں کہہ لیں کہ یہ کشف المحجوب کی تلخیص ہے۔ آخر میں مآخذ کی ایک مختصر سی فہرست ہے جن میں وہ کتابیں شامل ہیں جو تصنیف کے دوران زیر مطالعہ رہیں۔

البتہ قارئین کو ان دونوں تصانیف کے درمیان ایک طویل وقفہ کا احساس

ہوسکتا ہے لیکن میرے زاویہ نگاہ سے دیکھیں تو یہ عرصہ بھی رائیگاں نہیں گیا۔ اس دس سال کے عرصہ میں دو نونہالوں کی پرورش و پرداخت کسی بڑی مہم سے کم نہ تھی۔ دیگر مصروفیات کے علاوہ گذشتہ آٹھ برسوں سے جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے شعبہ فارسی سے بھی بطور استاد جز وقتی وابستگی رہی ہے اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا ہے۔

میری حوصلہ افزائی کا دوسرا بڑا محرک میری والدہ محترمہ نجمہ بیگم اور بالخصوص والد محترم رضوان اللہ صاحب ہیں جو بیک وقت مصنف، ادیب، شاعر، مترجم اور جید صحافی ہیں۔ اس کتاب کی تیاری میں انہوں نے میری خاصی رہنمائی فرمائی۔ ان کے مفید مشوروں سے استفادہ کرتی رہی، ان کے لئے دعا گو ہوں اور ان کا شکریہ ادا کرنا اپنا اہم فریضہ سمجھتی ہوں۔

استاد محترم پروفیسر ادریس احمد کی بے حد ممنون ہوں جن کے وقتاً فوقتاً مشورے میرے لئے مفید اور حوصلہ افزا ہوتے رہے ہیں۔ امید ہے کہ موجودہ تصنیف میں ان کے تعارفی کلمات اس کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ کا باعث ہوں گے۔

رفیق محترم عارف ضیاء صاحب کی بھی بے حد ممنون ہوں جنہوں نے ہر قدم پر میرا ساتھ دیا۔ مختلف اوقات میں کتب خانوں اور دیگر مآخذ تک رسائی میں نہ صرف معاونت فرمائی بلکہ موقع بہ موقع میری حوصلہ افزائی بھی فرماتے رہے۔ اور

درگاہ گنج بخش کی زیارت کے لیے میرے حالیہ سفر میں موصوف نہ صرف ہم سفر رہے، بلکہ انھوں نے ہر طرح سے معاونت فرمائی، جس کی وجہ سے شیخ ہجویری کے مزارِ مبارک کی زیارت کے لیے لاہور کے اس سفر میں بڑی سہولت ہوئی۔ ''داتا دربار'' کے نام سے موسوم مزار مبارک مرجع خلائق ہے۔ سخت حفاظتی انتظامات کے باوجود ہجوم اُمڈا آتا ہے۔ روحانی سکون کے متلاشی دنیا کے ہر گوشے سے جوق در جوق چلے آتے ہیں۔

آخر میں جناب ساجد حسین صاحب کی بے حد مشکور ہوں جنھوں نے ٹائپنگ اور کمپوزنگ کی خدمات انجام دے کر اس مسودے کو پایہ تکمیل تک پہونچایا۔

زہرہ فاروقی

۵/اپریل ۲۰۱۴ء

باب اول

تعریفات

میرے ایک مقالے کا عنوان تھا ''نصاب تصوف یعنی کشف المحجوب'' وہ مقالہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی میں شیخ علی ہجویری پر ۲۰۱۲ء میں منعقدہ ایک سمینار میں پڑھا گیا اس سمینار میں پڑھے گئے مقالات پر مشتمل ایک مجلّہ بھی بعد میں شائع ہوا۔ آگے بڑھنے سے پہلے میرے اسی مقالے کے ایک اقتباس پر نظر ڈالنا مناسب ہوگا۔

> ''وہ علم کون سا ہے جس کی ہنوز دریافت لازم ہے اگر اسی علم کا نام ''تصوف'' ہے اور اس کے شناسا صوفیۂ کرام ہیں تو اس علم کے حدود اربعہ کیا ہیں، اس کا درس کیسے اور کس سے لیا جائے انسان کی یہی مشکل تھی جس کو آسان کرنے کے لیے، اس کی وہی حیرانی تھی جس کو دور کرنے کے لئے ایک مرد خدا نمودار ہوا۔ ''مردی از غیب برون آید و کاری بکند''۔ وہی مرد خدا سید علی بن عثمان ہجویری عرف ''داتا گنج بخش'' کی ذات بابرکات ہے جس نے اس روحانی علم کے اجزائے ترکیبی بیان کئے ہیں''۔[۱]

۱؎ شیخ علی ہجویری حیات وخدمات: ص، ۲۲۰

دراصل اس تحریر کو اسی مقالے کا تسلسل سمجھنا چاہئے۔ لیکن طوالت کا خیال کرتے ہوئے اور موضوع کی اچھی طرح وضاحت کی غرض سے اس تحریر کو ایک الگ مضمون کی شکل دینا مناسب معلوم ہوا۔ اس راہ میں ایک بڑی مشکل کو بیان کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ہم لوگ تعلیمی اور تحقیقی کاوشوں میں انگریزی طور طریقوں اور انگریزی زبان میں متعین یا اختیار کئے ہوئے اصولوں کو تسلیم کر لیتے ہیں لیکن خود اپنی ضرورتوں کے مطابق جن اختراعات یا تصریحات و تصرفات کی ضرورت ہوتی ہے اس سلسلے میں کوئی زحمت نہیں کرتے۔ اس لئے ایک توضیح ضروری معلوم ہوئی ۔ انگریزی میں دو الفاظ "Syllabus" اور "Curriculum" استعمال کئے جاتے ہیں۔ ان دونوں اصطلاحات کے لئے ہم لوگ ایک ہی لفظ یعنی نصاب استعمال کرتے ہیں اور ان اصطلاحوں کی تصریحات کے ذریعہ ان کے درمیان فرق و امتیاز کو واضح نہیں کرتے، ممکن ہے اس کوتاہی کا بالفعل کوئی اثر نہ ہوتا ہو لیکن جب بات فنی اور علمی تصنیف و تالیف کی ہو تو کم سے کم وہاں امتیاز اور فرق کو ملحوظ رکھا جانا چاہئے پھر ان دونوں اصطلاحات کے لئے الگ الگ کون سے الفاظ استعمال کئے جائیں۔ یہ الگ سوال ہے اس کے تعین کے لئے سمینار اور ورکشاپ کے راستے کھلے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد تیسرا لفظ Text ہے جس کو ہم لوگ ''متن'' کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں پھر اس کی صحت اور اس کے

انتخاب میں کاوش کی اہمیت سے صرفِ نظر کرتے ہیں۔ وہ اس مضمون کا موضوع نہیں ہے لیکن نفس مضمون کی طرف اشارے کے لئے اس وقت اتنا کہا جاسکتا ہے کہ مندرجہ بالا سمینار کے مقالوں پر مشتمل جس مجلّہ کا ذکر کیا گیا ہے اس میں شامل انگریزی مضامین میں ''کشف المحجوب'' اور ''ہجویری'' کے مختلف ہجّے لکھے گئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اتنے اہم الفاظ کے اصل تلفظ پر اتفاق نہیں ہے۔ یہ صرف ایک معمولی سی مثال ہے جو ایک ہی سمینار میں جو اسی موضوع کیلئے مخصوص تھا، موجود ہے۔ لہذا ہمارے لئے یہ سوال اہم اور توجہ طلب ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے ایک بار پھر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں اصطلاحات یعنی "Syllabus" اور "Curriculum" کے حدود اربعہ پر غور کرلیں۔ ان کے درمیان فرق کو سمجھ لیں۔ اس کے بعد اپنی موجودہ ضرورت یا مجبوری کے تحت دونوں کیلئے لفظ ''نصاب'' کا استعمال جاری رکھیں۔ اگر انہی تعریفات کی روشنی میں کشف المحجوب کا جائزہ لیں تو ہمیں اندازہ ہوجائے گا کہ ہم اس کو نصاب تصوف کہنے میں کس حد تک حق بجانب ہیں۔ یہاں یہ بات سمجھنا نہایت ضروری ہے کہ دونوں اصطلاحات کے درمیان فرق یقینی ہے ورنہ صرف "CV" کیوں استعمال کیا جاتا ہے "SV" کیوں نہیں؟

ہم سب جانتے ہیں کہ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں داخلے کے لئے یا کسی عہدے

پر تقرری کے لئے درخواست کے ساتھ "CV" یعنی Curriculam Vita منسلک کرنا پڑتا ہے نہ کہ Curriculam Syllabus آخر کیوں؟ ہم سمجھنے سمجھانے کی غرض سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ CV میں صرف اس شخص کی انفرادی استعداد و تجربات درج کئے جاتے ہیں نہ کہ ولدیت سکونت اور کیریکٹر سرٹیفکیٹ وغیرہ حالانکہ یہ ساری چیزیں بھی اسی امیدوار سے متعلق ہوتی ہیں۔ پس ظاہر ہوا کہ طالب علم جو اکتسابات کرتے ہیں ان کا تعین نصاب کا وہ حصہ ہے جسے Curriculam کہتے ہیں اور اس سے متعلق ہوتے ہوئے بھی اس Curriculam کے باہر جو چیزیں ہیں Syllabus ہیں۔ اب ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ کشف المحجوب Syllabus ہے یا Curriculam۔ اگر چہ تعین تعریفات کا کام ماہرین تعلیم کا ہے لیکن پھر بھی یہاں ضروری ہے کہ پہلے ہم یہ دیکھیں کہ ان اصطلاحات کے متعلق ماہرین اب تک کیا کچھ کہہ چکے ہیں۔

سیلیبس (SYLLABUS)

کسی تعلیمی یا تربیتی نظام میں جن مضامین کی تعلیم دی جائے گی ان کا احاطہ کرنے والے خاکے یا خلاصے کو Syllabus کہتے ہیں یہ متعین یا لازمی اور مخصوص مطالعہ جات سے مختلف بیانیہ نوعیت کا ہوتا ہے۔ کوئی امتحانی بورڈ یا کسی تعلیمی سلسلے کا نگراں پروفیسر اس کی تشکیل کرتا ہے۔

اکثر و بیشتر صورتوں میں Syllabus اور Curriculam دونوں کو اکٹھا ہی طلبہ کو فراہم کیا جاتا ہے تاکہ انہیں تعلیمی نصاب کے مقصد اور اس کے حصول کے ذرائع اور وسائل کا بیکوقت اچھی طرح علم ہو جائے۔یعنی انہیں معلوم ہو جائے کہ لکچر اور ٹیچنگ سے متعلق دیگر سہولتوں سے کب اور کہاں ان کو استفادہ کرنا چاہئے۔ان کے مطالعہ کا خاکہ،امتحانات کی ممکنہ تاریخیں assignments کی تاریخیں،گریڈنگ پالیسی اور کلاس روم کے ضوابط وغیرہ۔

Syllabus کا ایک خاص مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ مختلف اسکولوں میں کسی خاص مضمون کی تعلیم میں یکسانیت ہو اور اساتذہ کو بھی معلوم ہو کہ تدریس میں کیا کچھ ضروری ہے اور کیا غیر ضروری ہے اور امتحان انہی تعلیمات پر مبنی ہو جو Syllabus میں مذکور ہیں۔Syllabus کا ایک خاص مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ کورس کے مقاصد اور ان مقاصد کے حصول کے طریقوں اور وسائل کے بارے میں طلبہ اور اساتذہ کے درمیان تفہیم مکمل ہو ان کے ذہنوں میں کسی طرح کا ابہام یا Confusion نہ ہو،تاکہ طلبہ اصل مضمون اور موضوع پر اپنی پوری توجہ صرف کر سکیں اور مستقبل کی راہ عمل طے کر سکیں۔

کسی Syllabus کے بعض عمومی اجزاء کی تشریح و توضیح Curriculam میں کی جاسکتی ہے تاکہ طلبہ زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں مثلاً امتحان کے وقت اور جائے

وقوع یا طریقوں کے متعلق، یا پھر گریڈنگ پالیسی کے متعلق اساتذہ خود بھی یہ تصریحات کر سکتے ہیں ممتحن نصاب کے علاوہ مفید اور معاون کتابوں اور مطالعہ کے طریقوں نیز اوقات وغیرہ کے بارے میں مشورے دے سکتے ہیں۔

Syllabus قومی ضرورتوں کے مطابق بھی تیار کئے جا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ملک کو زیادہ سائنسدانوں اور انجینئروں کی ضرورت ہے یا اقتصادیات کے ماہرین کی، تاکہ ملک دنیاوی اور معاشی ترقیوں کے معاملے میں دوسرے ملکوں کا مقابلہ کر سکے یا قومی لسانی ہم آہنگی کے لئے لسانی ماہرین کی ضرورت ہے ایسے میں اگر ملک کو واقعی نوجوانوں اور ہر طرح کے اصحاب علم اور دانشوروں کی اخلاقی اصلاح کے لئے روحانیت کی تعلیم کی ضرورت ہے تو کشف المحجوب کی افادیت اور اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

کرّی کولم (CURRICULUM)

نصاب کے وسیع تر حلقہ یعنی Syllabus کی بات کرنے کے بعد ہم نصاب کے اس داخلی حلقے کی بات قدرے آسانی سے کر سکتے ہیں جسے Curriculam کہتے ہیں۔ کسی تعلیمی نظام میں بطور مشورہ ڈھیلی ڈھالی تجاویز تو Syllabus ہیں لیکن اس کے مرکز میں ایک زیادہ سخت اور پابند کرنے والا نظام Curriculam ہے اور ہر مضمون کی مناسبت سے Curriculam الگ الگ

ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ اساتذہ کی نگرانی میں ان کی ہدایت کے مطابق ہر مضمون کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس تعلیم کا ایک دورانیہ ہوتا ہے جس کی تکمیل یا اختتام کے بعد طلبہ کو مختلف مدارج پر ایک سند دی جاتی ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ سارے مدارج میں Curriculam مختلف ہوں گے لیکن ہر اسکول یا کالج سے کسی مضمون کے Curriculam کے مطابق تعلیم مکمل ہو جانے کے بعد یکساں سند دی جائے گی۔ یہی خاص بات Curriculam کو Syllabus کے تابع بناتی ہے کیونکہ Syllabus کسی خاص مقصد یا ضرورت کے تحت تیار کئے جاتے ہیں اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے جو وسائل یا ذرائع استعمال کئے جاتے ہیں وہ Curriculam کا حصہ ہوتے ہیں جیسے کہ تجویز کردہ کتابیں یا مضامین، انکی تدریس کے لئے موزوں اور مناسب اساتذہ، ان کا طریقہ تعلیم وغیرہ سب Curriculam کا حصہ ہیں۔

ہم تو صرف ''نصاب'' کی بات کرتے ہیں اس لئے نصاب کے ان دونوں داخلی اور خارجی حلقوں اور متن کی صراحت کرنا ضروری معلوم ہوا وہ بھی اسی قدر جتنا کشف المحجوب کے حجم کو سمجھنے کی ضرورت ہے تاکہ ہر اعتبار اور لحاظ سے اس کا نصاب ہونا اور اگر تصوف کوئی موضوع یا تعلیمی مضمون ہے تو ثابت ہو۔ ہمیں تسلیم

ہے کہ تصوف کوئی ایسا مضمون نہیں ہے جس کی تعلیم کی تکمیل کے بعد کوئی سند بھی ملتی ہو لیکن عرف عام میں ہم جس شخص کو واقعی ''صوفی'' سمجھتے اور کہتے ہیں اس میں ان علمی اور عقلی خواص کا موجود ہونا ضروری ہوگا جو تصوف کی تعریف میں شامل ہوں۔

ٹیکسٹ (TEXT)

ہم جہاں Syllabus اور Curriculam کی بات کرتے ہیں وہیں Text یعنی متن کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کر سکتے۔ کسی مضمون کی تدریس کے لئے ضروری نصاب کے انتخاب اور اسکی تفصیلات کا اندراج ہی دراصل متن کے نام سے جانا جاتا ہے۔ تجویز کردہ مضامین کے لئے منتخب کتابوں کا مطالعہ نیز مضامین کے متعلق مشورے کے ساتھ ہی تدریسی سلسلے کا یہ مرحلہ مکمل یا ختم نہیں ہوجاتا بلکہ یہیں سے ایک بڑی عرق ریزی کا کام شروع ہوجاتا ہے۔ یعنی تدریس کے لئے منتخب مواد کے متن کی صحت کا تعین۔ ابتک اس ضرورت کی اہمیت پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی ہے کسی بھی تصنیف یا Reading matter کے مختلف نسخوں میں کہیں کہیں فرق پایا جاتا ہے۔ اس حقیقت سے ہم سبھی آ گاہ ہیں۔ مختلف لائبریریوں میں دستیاب کسی خاص نسخے کی کاپیوں کے درمیان موازنے کے کام بھی جا بجا کئے گئے ہیں اور یہ عمل آج بھی جاری ہے لیکن ایسا کتنی بار ہوا ہوگا کہ نصاب میں شامل کسی کتاب کے کسی مخصوص نسخہ کا تعین کیا گیا ہو؟ شاید بہت کم۔ یہ بات کہنے سننے میں جس قدر

سادہ اور آسان معلوم ہوتی ہے دراصل اتنی آسان نہیں ہے۔ اس راہ کی اصل مشکل تو مختلف نسخوں کے موازنے کے بعد کسی ایک متن کے تعین اور اس کو مستند قرار دینے کا ہے اس کے بعد ہی اس متن کو اصل نصاب قرار دیئے جانے کا مرحلہ آتا ہے۔

اس بارے میں اختلاف رائے کی گنجائش ہے کہ اگر کسی متن کی مختلف کاپیوں میں کچھ فرق ہے تو اس میں Uniformity یعنی یکسانیت پیدا کرنے کی کوشش کی ضرورت ہی کیا ہے۔ صرف اتنا کیا جاسکتا ہے کہ کوئی محقق یا طالب علم اپنے مقالے میں مختلف کاپیوں کے درمیان فرق کو بیان کردے لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوتی۔ دراصل کسی نسخے کے مختلف متنوں میں فرق کی کئی وجہیں ہوتی ہیں ایک تو یہی کہ صاحب تصنیف نے خود ایک بار کچھ تحریر کیا ہو پھر کسی اور موقع پر اس کو وہی لکھنے کی ضرورت پیش آئی ہو تو اسے نقل کرنے کے بجائے اپنی یادداشت سے سارے مضمون کو دوبارہ لکھ ڈالا۔ دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ کسی کاتب نے ایک نسخے کو نقل کیا اور بالقصد یا بلا قصد کوئی تحریف کردی اس صورت میں تو وہ صاحب تصنیف کی بات کو من و عن آگے بڑھا ہی نہیں سکا۔ ایک تیسری بڑی دلچسپ صورت قرأت کے فرق کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس کی دلچسپ مثال غالبؔ کا یہ شعر ہے۔

ہاں کھائیو مت فریب ہستی

ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے

ایک صاحب کا اصرار تھا کہ دوسرے مصرعہ کو یوں پڑھنا چاہئے

ہر چند کہیں کہ ہے نہیں، ہے

گویا سارا کھیل ایک ''،'' یعنی وقفہ کا ہے، جس کے ہونے نہ ہونے سے سارا مطلب ہی الٹا ہو جاتا ہے۔ یعنی دوسرا مطلب ایک مروجہ مطلب کے بالکل برعکس ہو جاتا ہے اور شاعر کے سارے فلسفے کی ہی نفی ہو جاتی ہے۔

یا وہ لطیفہ ہے کہ نواب صاحب کے ایک مصاحب سعدیؔ کا وہ شعر پڑھ رہے تھے جس میں سعدیؔ فرماتے ہیں کہ:

ھر بیشہ گمان مبر کہ خالیست

شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

ان کا خیال تھا کہ کتابت کی غلطی سے ''ی'' کے دونوں نقطے اوپر لگ گئے ہیں اور اس طرح ''خفیہ'' کا ''خفتہ'' ہو گیا ہے۔

دراصل اس طرح کی غلطیوں کی ایک بڑی وجہ ہماری اردو و فارسی تحریروں میں اعراب اور علامات کے عدم استعمال اور اوقاف اور واوین وغیرہ جیسی علامات کا استعمال بھی کم سے کم کیا جانا ہے۔ دوسری وجہ ہمارے اساتذہ کی کوتاہی بھی ہے۔

دراصل ابتدائی درجات میں ہی درس وتدریس کے دوران بچوں سے متن کو پڑھوانا چاہئے۔اوراساتذہ کوبھی متن خوانی کی اصلاح کرتے رہنا چاہئے اب ادیبوں اور دانشوروں نے بعض ادبی حلقوں میں بلندخوانی کی تحریک شروع کی ہے۔اس تحریک کے ساتھ سمینار وغیرہ میں بھی بلندخوانی اور تلفظ و ہجّے کی صحت پرتوجہ کی ضرورت ہے۔امید ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ مجموعی حالات میں بھی بہتری آتی جائے گی۔

اس کے علاوہ ہمارے روایتی مشاعرے ہرطرح کی اصلاح کا ایک اچھا موقع فراہم کرتے تھے۔وہاں موجوداساتذہ زبان اورفن دونوں کی اصلاح کردیا کرتے تھے لیکن اب تو ان مشاعروں کا بھی حلیہ مسخ ہوگیا ہے گیت اورغزل کے درمیان فرق مٹتا جارہاہے۔زبان اورفن سے زیادہ ترنم نغمہ گلے بازی پر زور ہوتا ہے۔ایسے میں ہمارے تعلیمی اداروں میں اساتذہ کی ذمہ داریاں بڑھتی جارہی ہیں۔انہیں زبان کی صحت کی ذمہ داری قبول کرنی چاہئے۔اہم تصنیفات میں ثقیل الفاظ پراعراب کا التزام مناسب ہوگا۔اب کمپیوٹر کے ذریعہ کمپوزنگ کی وجہ سے یہ کام آسان تو ہوگیا ہے لیکن اعراب کا درست ہونا بھی ایک بڑی شرط ہے۔مذکورہ مجلّے میں شامل مقالے اردو، انگریزی، ہندی اور فارسی میں لکھے گئے ہیں۔اسی کے دوکلیدی الفاظ''ہجویری''اور''کشف المحجوب''کے حروف تہجی پر چونکہ اعراب

نہیں ہیں اس لئے یہ نہیں پتہ چلتا کہ مقالہ نگاروں نے ان کا تلفظ کس طرح کیا ہے لیکن انگریزی مقالوں میں Spelling کے اختلافات کی وجہ سے تلفظ کا اختلاف ظاہر ہوتا ہے۔ چونکہ بیرونی دنیا حوالے کے لئے اکثر و بیشتر انگریزی کو ترجیح دے گی۔ لہذا اس کا کنفیوزن میں مبتلا ہونا یقینی ہے۔ مثال کے طور پر ہجویری کے لئے:

۱۔ ڈاکٹر سید شاہ خسرو حسینی نے HUJAVERI لکھا ہے۔(P.17)

۲۔ پروفیسر سید محمد عزیز الدین نے بھی یہی ہجے لکھے ہیں(P.30)

۳۔ ڈاکٹر محمد ادریس HUJUWIRI لکھتے ہیں(P.141)۔

یہی کیفیت کم و بیش ''کشف المحجوب'' کے ہجے کی ہے۔

۱۔ ڈاکٹر سید شاہ خسرو حسینی: Kashf-al- Mahjub (P.17)

۲۔ پروفیسر سید محمد عزیز الدین: Kashful Mahjub (P.10)

۳۔ ڈاکٹر محسن علی: Kashf-ul- Mahjub(P.123)

۴۔ ڈاکٹر ایس۔ ایل۔ ایچ۔ معینی:Kash-ful- Mehjub (P.63)

۵۔ ڈاکٹر محمد ادریس: Kashf Al-Mahjub (P.144)

خیال فرمائیں کہ کوئی انگریزی دان محقق ایک ہی نام کو کس ہجے کے ساتھ انٹرنیٹ پر یا کیٹالاک میں تلاش کر لے۔ اس سے قطع نظر بھی ایسے کلیدی الفاظ کی Uniformity یعنی یکسانیت کے لئے ضروری کاوشیں درکار ہیں۔

اس ساری بحث کو اگر اختصار کے ساتھ بیان کریں تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ کسی بھی مضمون کی تعلیم و تدریس کے نظام میں ایک مرکزی یا محوری مقصد ہوتا ہے جسے ہم متن کہہ سکتے ہیں۔ اس کے گرد پہلے حلقے کو Curriculum اور دوسرے وسیع تر حلقے کو Syllabus اور ان حلقوں کے باہر وسیع تر فضا کو Extra Carricular کہہ سکتے ہیں۔ چونکہ ہماری زبان میں ان دونوں اصطلاحات کو الگ نہیں کیا گیا ہے اور دونوں کو مترادف سمجھا جاتا ہے لہذا اسی روشنی میں ہم علم تصوف کے نصاب کی بات کر سکتے ہیں۔

ایسے میں یہ کہنا درست ہوگا کہ اگر تصوف ایک علم ہے تو اس کا نصاب ''کشف المحجوب'' ہے۔ جو مذکورہ بالا دونوں دائروں پر مشتمل ہے اور اس کے خارجی اطراف میں ان کتب اور حوالہ جات یا دیگر قابل مطالعہ مضامین شامل ہیں جو کشف المحجوب سے متعلق ہوں یا تصوف سے متعلق ہوں۔ لیکن اس خاص مضمون کی تعلیم و تدریس کے لئے ان کا مطالعہ لازمی نہ ہو۔ اسی کشف المحجوب کو اصل متن قرار دیا جا سکتا ہے جس کی صحت پر اصرار کیا جا رہا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس مخصوص مضمون یعنی تصوف کی تعلیم کے لئے نصاب کے مطابق جس متن کی ضرورت ہے وہ متن نصابی تلازمات کی تکمیل بھی کرتا ہے یا نہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ وہ تلازمات خود متن کے اندر مذکور ہیں اس لئے ان

کی پرکھ کی جائے کہ نصاب کی تعریفات پر یہ کتاب پوری اترتی ہے یا نہیں۔ یہاں یہ بحث کی جاسکتی ہے کہ کوئی زبان پہلے وجود میں آتی ہے، اس کے بعد اس کی گرامر وضع کی جاتی ہے تو کیا ایسا نہیں ہے کہ ہم نے پہلے کشف المحجوب کو ایک نصاب قرار دیدیا ہے اور اب اس کو گرامر کے فریم میں فٹ کررہے ہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔ گرامر کا وہ فریم پہلے سے موجود ہے اور اس سے الگ کشف المحجوب بھی موجود ہے۔ ہم صرف کتاب پر اس گرامر کا اطلاق کرکے، یہ ثابت کرنے کی کوشش کررہے ہیں کہ کتاب اس گرامر کے عین مطابق ہے۔

باب دوم

احوال سید ہجویری

ابوالحسن علی بن عثمان، بن ابی علی الجلابی الہجویری الغزنوی نام، کنیت ابوالحسن اور لقب داتا گنج بخش ہے۔ شجرۂ نسب حضرت امام حسینؓ سے ملتا ہے۔ وہ اپنی کتاب کشف المحجوب کے آغاز میں اپنا تعارف اسطرح کرواتے ہیں۔

''قال علی بن عثمان بن علی الجلابی الغزنوی ثم الہجویری'' ۲

آپ کے والد کا نام عثمان اور دادا کا نام علی تھا۔ لاہور کے ایک بزرگ مولوی نور احمد چشتی اپنی تالیف ''تحقیقات چشتی'' میں لکھتے ہیں:

''نسب شریف ان کی اس طرح سے زبانی مجاورین کے ظاہر ہوئی کہ حضرت علی گنج بخش بن سید عثمان بن سید علی بن سید عبدالرحمٰن ابن سید عبداللہ ہجویری بن سید ابوالحسن علی بن سید حسن بن سید زید شہید بن حضرت امام حسن بن حضرت علی المرتضی شیر خدا، کرم اللہ وجہہ'' ۳

آپ کا تعلق افغانستان کے شہر غزنی سے تھا۔ جلاب اور ہجویر غزنی کے دو الگ الگ محلے ہیں، جن سے آپ کا تعلق رہا اسی مناسبت سے آپ کبھی جلابی اور کبھی ہجویری کہلائے۔ اس سلسلے میں دارا شکوہ لکھتے ہیں:

---

۲ کشف المحجوب: ص ۶

۳ تحقیقات چشتی: ص ۱۸۸۔۱۸۷

''اصل ایشان از غزنین است وجلاب وہجویر دو محلّہ است،
از محلات شہر کہ انتقال کردہ انداز یکی بہ دیگری وقبر والدۂ
بزرگوار ایشان درغزنین است''[۴]

آپ کے سنہ ولادت کی کوئی صحیح تاریخ نہیں ملتی۔ اگر سوانحات کا جائزہ لیں تو سب سے پرانا ماخذ ''نفحات الانس''[۵] ہے لیکن اسمیں بھی جامؔی نے سال پیدائش کی صراحت نہیں کی ہے۔ البتہ مختلف تذکروں اور مآخذ سے گمان غالب ہے کہ آپ چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں شہر غزنہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت والد بزرگوار شیخ عثمان بن ابی علی کے زیر سایہ ہجویر اور جلاب میں ہوئی۔ آگے چل کر آپنے اپنے زمانے کے جیّد علماء سے کسب فیض کیا۔ اساتذۂ کرام کی ایک طویل فہرست ہے جس میں اہم ترین شیخ ابوالعباس شقانی، شیخ ابوجعفر محمد المصباح الصید لانی، شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، شیخ ابوالقاسم علی گرگانی، شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی کے اسمای گرامی سرفہرست ہیں۔ ہجویری جناب ختلی کی نسبت لکھتے ہیں کہ ''میں طریقت میں ان کا پیرو ہوں وہ علم تفسیر و روایات کے عالم تھے اور تصوف میں مذہب جنیدیہ کے پابند تھے''۔

اپنے استاد کی گوشہ نشینی، عقاید اور تعلیمات کا ذکر کرتے ہوئے ''کشف'' میں

---

[۴] سفینۃ الاولیاء ص۱۶۴

[۵] نفحات الانس: مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی (مرتبہ ۸۸۳ھ/ ۱۴۷۸ء)

لکھتے ہیں:

''شصت سال بحکم عزلتی صادق بگوشہ ہا اندرمی گریخت و نام خود از میان خلق گم کردہ بود و بیشتر بجبل لگام لودی عمری نیکو یافت و روایات و براہین بسیار داشت، اما لباس و رسوم متصوف نداشتی و با اہل رسم شدید بود۔ ومن ہرگز مھیب تر از وی ندیدم۔ از وی شنیدم کہ گفت: الدنیا یوم ولنا فیھا صوم''[۶]

ہجویر سے نکلنے کے بعد آپ کا پہلا سفر سرخس کا تھا۔ جہاں لقان سرخسی اور احمد بن حماد سرخسی سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ آخرالذکر بزرگ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''خواجہ احمد حمادی سرخسی مبارز وقت خود و مدتی رفیق من بود، واز کار وی عجائب بسیار دیدم وی از جوانمردان متصوف بود'' [۷]

ماوراءالنہر میں ایک مدت تک آپ دونوں ایک دوسرے کے شریک سفر رہے کچھ عرصہ بعد آپ جب طوس پہونچے تو وہاں شیخ ابوالقاسم گرگانی سے ملاقات کا

---

۶ کشف المحجوب: ص ۲۰۸

۷ کشف ص ۱۵۵

شرف حاصل ہوا۔ان کے متعلق کشف میں لکھتے ہیں:

''وقتی مرا واقعہ ای افتاد وطریق حل آن برمن دشوار شد، قصد شیخ ابوالقاسم گرگانی کردم ووی بطوس بود۔ ویرا اندر مسجد درسرای خود یافتم تنہا وبعین آن واقعۂ من بود کہ باستون می گفت۔ گفتمش: این با کہ میگوئی؟ گفت: ای پسر! این ستون راخدای عزوجل اندرین ساعت بامن بسخن آورد، تا ازمن سوال بکرد''۔[۸]

اس کے بعد جب نیشاپور آئے تو دیگر مشایخ سے ملاقات کے ساتھ ساتھ مدارس وخانقاہوں کا دورہ بھی ہوااوراس دوران خاصا وقت بزرگان دین کی صحبت میں گذرا۔

شیخ محمد بن حسن ختلی کے بعد آپ کے دوسرے پیر ابوالعباس شقائی[۹] کا نام اکثر وبیشتر تذکروں میں ملتا ہے۔آپ نے عرفان وتصوف اور دیگر شریعت سے متعلق علمی مطالب ومسائل اپنے پیر کی صحبت میں رہ کر ہی دریافت کئے، لکھتے ہیں:

''شیخ امام اوحد واندر طریق خود مفرد، ابوالعباس احمد بن محمد

۸۔ ص ۳۰۱،۳۰۰

۹۔ ان کا نام شقائی اور اشقانی دونوں طرح سے لکھا ہوا ملتا ہے۔دراصل شقان نیشاپور کے گاؤں میں سے ایک ہے۔

الاشقانی: اندرفنون علم اصول وفروعی امام بود۔۔۔مراباوی
اُنسی عظیم بودو برابر من شفقتی صادق، واندربعض علوم استاد
من بود'' [۱۰]

آپ نے اپنی کتاب میں مختلف موقعوں پر پانچ دفعہ استاد موصوف کا ذکر کیا ہے۔جس سے ان کی علمیت، شخصیت، عقاید اور کردار کا پتہ چلتا ہے۔مولانا جامیؔ نے بھی اپنی کتاب ''نفحات الانس'' میں نہایت دلچسپ پیرایہ میں ان استاد موصوف کا ذکر کیا ہے[۱۱]۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ ابوجعفر محمد المصباح الصید لانی[۱۲] کا بھی ذکر ملتا ہے۔اکتساب کے سلسلہ میں جابجا آپ کا نام لیتے ہیں۔

اپنا سفری سلسلہ جاری رکھتے ہوئے، نیشاپور سے گذر کر آذر بائیجان اور

---

[۱۰] کشف: ص۲۱۰۔

[۱۱] ایک روز شیخ ابوسعید ابوالخیر نیشاپور میں اپنی خانقاہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بہت بڑے سید جو اکابر سادات نیشاپور میں سے تھے، شیخ کے سلام کے لئے آئے، اور شیخ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔اتفاق سے اسی وقت ابوالعباس شقانی آگئے۔شیخ ابوسعید نے انہیں سید سے زیادہ معزز جگہ پر بیٹھایا۔سید کو اس سے رنج ہوا۔شیخ ابوسعید نے ان سے فرمایا، کہ ہم جو تمہیں دوست رکھتے ہیں تو رسولؐ کی وجہ سے، اور ان کو اللہ کی وجہ سے دوست رکھتے ہیں۔(ترجمہ نفحات: ص۵۳۷)۔

[۱۲] بغداد کے رہنے والے تھے حضرت جنید ابوالعباس کے ہمعصر اور مکہ میں مجاور تھے۔انہوں نے مصر میں وفات پائی۔(نفحات، ص۱۸۶)

دوسرے کئی شہروں کا دورہ کیا، جن میں حلب، رملہ وغیرہ سے گذرتے ہوئے شام جا پہونچے اور ایک عرصہ تک یہیں مقیم رہے۔ اور یہاں کے بزرگوں اور عارفوں سے ملاقاتیں بھی کیں۔ یہاں سے بغداد گئے اور بصرہ، خوزستان، مدینہ منورہ ہوتے ہوئے مکہ معظّمہ کا قصد کیا۔ اس طرح سیر و سیاحت کا یہ سلسلہ تقریباً دس سال کی مدت پر محیط ہے۔ اس کے بعد ہندوستان کا سفر کیا اور لاہور میں سکونت پذیر ہوئے۔ یہیں وفات پائی۔ اور آپ کا مزار بھی لاہور ہی میں ہے۔

سفینۃ الاولیاء میں داراشکوہ کے ایک بیان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے لاہور میں ایک مسجد بھی تعمیر کروائی تھی[۱۳]۔ وفات کے بعد آپ اسی مسجد کے پاس مدفون ہوئے۔ تاریخ وفات میں بہت اختلاف رائے ہے[۱۴]۔ البتہ وہ تین قطعہ کے اشعار جو آپ کے مزار پر نصب ہیں ان سے تاریخ وفات ۴۶۵ ہجری یا اس کے آس پاس کی تاریخ برآمد ہوتی ہے۔

قطع اول معین الدین چشتی (۶۳۳ ہجری)

---

[۱۳] سفینۃ الاولیاء: داراشکوہ، ص۱۶۴۔

[۱۴] نیکلسن، انگریزی ترجمہ ۱۹۰۳ء میں لاہور سے شائع ہوا۔ سال وفات ۶۵ـ۴۴۹ ہجری کے درمیان تحریر ہے۔ ۲۔ قاسم غنی: تاریخ تصوف در اسلام: تاریخ وفات ۴۷۰ ہجری ہے۔ ۳۔ سعید نفیسی: سرچشمہ تصوف: ص ۴۶۴ ہجری، ۴۔ سفینۃ الاولیاء میں ۶۴/ ۴۵۶ ہجری، ۵۔ عبدالحسین زرین کوب: ارزش صوفیہ: ۴۵۰ ہجری، ۶۔ تذکرہ علمای ھند: رحمان علی ۴۶۵ ہجری، ۷۔ سبک شناسی بہار: ۴۶۵ ہجری، ۸۔ کشف الظنون: حاجی خلیفہ: ۴۵۶ ہجری۔

این روضہ کہ بانیش شدہ فیض است
مخدوم علی راست کہ باحق پیوست
در ھستی نیست شد و ھستی یافت
زان سال وصالش افضل آمد از ''ھست'' ۴۶۵ ہجری

قطع دوم جامی (۸۹۸ ہجری)

خانقاہ علی ہجویری　　خاک جاروب از دوش بردار
طوطیا کن بہ دیدۂ حق بین　　تا شوی واقف در اسرار
چونکہ سردار ملک معنی بود　　سال وصلش برآید از ''سردار'' ۴۶۵ ہجری

قطع سوم محمد اقبال لاہوری

سال بنای حرم مؤمنان　　خواہ ز جبریل زھاتف مجو
چشم ''بہ مسجد اقصی افکن''　　الذی بارکہ، ہم بخوان

آپ کے ازدواجی حالات سے متعلق تذکروں میں کوئی صراحت نہیں ملتی۔ سوائے اس کے کہ آپ کی شادی ضرور ہوئی تھی مگر کچھ ہی مدت کے بعد، مفارقت کا سامنا ہو گیا اور پھر تا حیات آپ کسی دوسرے رشتہ سے منسلک نہ ہو سکے۔ آل اولاد کے متعلق بھی کسی تذکرہ نویس نے یا خود آپ نے کہیں کوئی ذکر نہیں کیا۔

باب سوم

آثار سید ہجویری

آپ کی تصنیفات کی فہرست طویل ہے جس میں شاہکار ''کشف المحجوب'' ہے جو اس وقت موضوع بحث بھی ہے۔ اس کتاب کا شمار تصوف کی معتبر مستند اور معروف کتابوں میں ہوتا آیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی دیگر گیارہ تصانیف ہیں جن کا ذکر خود آپ نے ''کشف'' میں کیا ہے۔ لیکن افسوس کہ بیشتر آثار آپ کی زندگی میں ہی ناپید ہو چکے تھے۔ ان تصانیف کا ایک مختصر جائزہ حسب ذیل ہے:

۱۔ دیوان

دیوان کے متعلق کشف المحجوب میں صرف اتنا تحریر ہے کہ کسی صاحب نے آپ کا دیوان لے لیا اور دوبارہ واپس نہ کیا، آپ کے پاس اس نسخہ کے علاوہ دوسرا کوئی نسخہ بھی نہ تھا۔ اس کی چوری کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

''دیوان شعرم کسی بخواست آن جملہ را بگردانید و باز گرفت واصل نسخہ جز آن نبود۔ و نام من از سر آن بیفگند و رنج من ضایع کرد، تاب اللہ علیہ'' [۱]

۲۔ اسرار الخرق والمؤمنات

اس کتاب میں ظاہری و باطنی امور سے متعلق بحث کی ہے۔ لکھتے ہیں:

---

[۱] کشف، تہران، ص۲

''ومرا اندرین معنی کتابیست منفرد کہ نام آن اسرار الخرق والمئو نات است ونسخۂ آن مرید را باید''۔[۲]

۳۔ کتاب فنا وبقا

یہ کتاب نثر میں لکھی گئی ہے۔ جس میں ترہات ارباب اللسان اور ان کی پرستش وعبادت کا ذکر ہے۔ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

و مارا ازین جنبس سخنا نیست اند کتاب فنا و بقا و آن اندر وقت ہوس کودکی وتیزی احوال کردہ ایم[۳]

۴۔ الرعایۃ بحقوق (الحقوق) اللہ تعالی

اس کتاب کا موضوع توحید باری ہے، لکھتے ہیں:

''وطالب این علم (توحید) را، از کتابی مطول تر باید طلبید، کہ کردہ ام وآنرا الرعایۃ بحقوق اللہ تعالی نام کردہ ام''۔[۴]

۵۔ کتاب البیان لاھل العیان

خود فرماتے ہیں کہ یہ کتاب میں نے حال ہدایت میں لکھی ہے۔

---

[۲] کشف ص ۶۳

[۳] کشف: ص ۶۷

[۴] کشف: ص ۳۶

''ومن اندرین معنی (جمع وتفرقہ) درحال بدایت کتابی
ساختہ ام، ومرا آنرا کتاب البیان لاھل العیان نام
نہادہ''[۵]

۶۔ نحوالقلوب

جمع وتفرقہ سے متعلق سیر حاصل مواد ہے۔

''اندر نحو القلوب در باب جمع فصولی مشبع بگفتہ، اکنون
مرخفت رابدین مقدار بسندہ کردم''[۶]

۷۔ منہاج الدین

کتاب کا موضوع طریقت تصوف سے متعلق ہے جس کے تحت مناقب اصحاب صفہ رسولؐ نہایت تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں، ساتھ ہی حسین بن منصور حلاج کے مختصر احوال کا بھی ذکر کیا گیا ہے، لکھتے ہیں:

''ودیگر کتابی کردم ہم اندر طریقت تصوف، نام آن منہاج
الدین اکنون ذکر اصحاب صفہ رسولؐ عم بر سبیل ایجاز و
اختصار اندرین کتاب بیاورم، وما پیش ازین کتابی ساختہ
ایم، ومرآنرا منہاج الدین نام کردہ واندروی مناقب ہر

۵۔ کشف: ص۳۳۳

۶۔ کشف: ص۳۳۳

یک بتفصیل بیان کردہ و نیز در شرح حال حسین بن منصور حلاج''ے

۸۔ دلائل الخیرات

اس کا موضوع درود شریف سے متعلق ہے اس سلسلہ میں آپ نے ایک واقعہ بھی تحریر کیا ہے، لکھتے ہیں کہ میں سفر میں تھا نماز کا وقت آ گیا۔ وہاں ایک کنواں تھا مگر ڈول اور رسی نہ تھی۔ ایک مدنی بچی دیوار سے جھانک رہی تھی۔ اس بچی نے دریافت کیا کہ آپ کیا تلاش کر رہے ہیں۔ آپ نے بتایا کہ ڈول اور رسی، بچی نے آپ سے آپ کا نام پوچھا۔ آپ نے بتایا تو بچی بولی کہ اچھا، آپ وہی ہیں جن کا نام تمام دنیا میں مشہور ہو گیا ہے۔ یہ کہہ کر بچی نے کنویں میں تھوک دیا۔ بچی کا کنویں میں تھوکنا تھا کہ کنویں کے پانی میں ایک اُبال سا آ گیا اور پانی اوپر آ گیا۔ آپ نے وضو کیا۔ اس کے بعد بچی سے پوچھا کہ یہ کمال کیسے ہو گیا۔ بچی نے جواب دیا کہ میں درود شریف کثرت سے پڑھتی ہوں بس اسی وقت سے آپ نے عہد کر لیا کہ درود شریف کے فضایل سے متعلق کتاب لکھوں گا اور ایسے ہی حالات میں دلائل الخیرات تألیف کی۔

ے کشف: ص۱۹۳

۹۔ ایمان

لکھتے ہیں کہ میں نے ایمان کے موضوع پر بھی ایک کتاب لکھی ہے جس میں مشائخ کے اعتقادات سے بحث کی ہے۔

۱۰۔ فقیر نامہ مشہور بہ کشف الاسرار

سید ہجویری نے کشف المحجوب میں اس کتاب کا ذکر تو نہیں کیا ہے لیکن صوفی معنوی مولانا شمس الھند یزدی نے لاہور سے ۱۳۴۶ ہجری (۱۹۲۷ء) میں کشف المحجوب کا ایک اردو ترجمہ شایع کیا، جس کے ٹائٹل پر یہ عبارت درج ہے۔ ''کشف المحجوب اردو، معہ فقیر نامہ مشہور بہ کشف الاسرار'' تصنیف لطیف حضرت اقدس برگزیدۂ زمان قطب دوران جناب فیض مآب شیخ مخدوم علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش ثم لاہوری حضرت داتا۔

۱۱۔ فرق فرق

بغداد کے قریب میں نے ایک گروہ کو دیکھا جو منصور حلاج کے خلاف لمبی بحث میں تھے۔ اور ان کے کلام کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ میں نے ان کی مخالفت کی اور ایک باب لکھا۔

''گروہی دیدم از ملاحدہ بہ بغداد و نواحی آن کی دعوی تولی بدو (حسین بن منصور حلاج) داشتند وکلام دیرا صحبت زندقۂ

خود ساختہ بودند و اسم حلاجی بر خود نہادہ، و اندر امروی غلو
میکردند، چون روافضہ اندر تولی علیؓ، اندر رد کلمات ایشان
بابی بیاورم اندر فرق، انشاءاللہ عز و جل''۔[8]

۱۲۔ کشف المحجوب لارباب القلوب[9]

سید علی کا آخری شاہکار اور یہی وہ کتاب ہے جس کے توسط سے ان کے دیگر علمی و ادبی، منظوم و منثور آثار کا پتہ چلتا ہے اور ساتھ ہی ہماری اس تصنیف کا موضوع بھی۔ صوفیۂ و علما کے احوال و آثار نیز تعلیمات سے متعلق یوں تو عربی زبان میں متعدد تالیفات منظر عام پر آئیں مثلاً کتاب اللمع، حلیۃ الاولیاء، قوت القلوب، کتاب التعرف، طبقات الصوفیہ وغیرہ۔ لیکن فارسی زبان میں تصوف کے موضوع پر اتنی مستند و جامع تصنیف پہلی مرتبہ تحریر کی گئی جس کے متعدد زبانوں میں تراجم ہوئے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس کے نادر نسخے آج بھی دنیا کے مختلف ممالک کے کتب خانوں کی زینت ہیں۔ اس کتاب کا اگلا باب اسی سے متعلق ہے جس میں کشف المحجوب کے تمام ابواب کا بالتفصیل جائزہ لیا جائے گا۔

۸۔ کشف: ۱۹۲

۹۔ کشف الظنون: حاجی خلیفہ

باب چہارم

کشف المحجوب: مقاصد وتعلیمات

امور شریعت، اسرار طریقت، صوفیہ کے احوال اور اقوال وغیرہ لکھنے کا سید ہجویری کا خاص مقصد یہ تھا کہ لوگ کتاب وسنّت نبویؐ کی روشنی میں صحیح راستہ کا تعین کریں، حقائق کو اختیار کریں، برائیوں اور گناہوں سے حتی الوسع گریز کریں، بدعات کی تاریکیوں میں نہ بھٹکیں اور کسی بھی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہ جائے۔ چنانچہ یہ کتاب ایک ایسا گنجینہ اقوال واحوال ہے جسے اہل تصوف بڑی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آیئے اب اس نصابی کتاب کا مقصد اور سید ہجویری کی تعلیمات پر بھی ایک سرسری نگاہ ڈال لیں۔

جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا گیا ہے کہ سید ہجویری کی تعلیمات کا محور صرف اور صرف قرآن واحادیث اور اقوال ہیں اس سے الگ ہٹ کر وہ کسی بھی نظام حیات کو قابل ستائش نہیں سمجھتے چنانچہ ذیل میں پچاس نکات اُنکی تعلیمات سے متعلق پیش کیے گئے ہیں۔

ا۔نیت: ان نکات کی ابتداء ہم ''نیت'' سے کرتے ہیں کیونکہ سب سے پہلی اور اہم چیز انسان کی نیت ہوتی ہے اور اگر غور کریں تو اسلام کے تمام ارکان کا دارومدار بھی نیت ہی پر ہے۔ اس کے متعلق سید ہجویری کی رائے یوں ہے کہ، کام کی ابتدا میں بندہ کا قصد نیت کے قریب ہوتا ہے، پھر اگر اس کام میں خلل ظاہر ہو بھی

جائے تو بندہ معذور ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''مومن کی نیت اس کے کام سے بہتر ہے''۔ یعنی ''نیت'' کا کاموں پر بڑا اختیار ہے۔ چنانچہ کسی بھی کام کی ابتداء میں نیت کرنا، بے نیت عمل کی ابتداء سے افضل ہے۔

۲۔ استعاذت: (پناہ چاہنا)، استخارہ (طلب) اور استعانت (مدد مانگنا) ان سب الفاظ کے معنی اپنے کام اللہ تعالی کے سپرد کرکے نیکی چاہنا اور مختلف قسم کی آفات سے نجات طلب کرنا ہے۔ چنانچہ کسی بھی کام کی شروعات میں استخارہ اختیار کرے تاکہ اللہ تعالی بندہ کے اس کام کو ہر خطا، خلل اور آفات سے محفوظ رکھے۔

۳۔ علم: اللہ تعالی نے عالم کی صفت یوں بیان فرمائی ہے کہ اُسکے بندوں میں سے صرف عالم لوگ ہی اُس سے ڈرتے ہیں، اور رسول اللہؐ نے فرمایا کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ علم حاصل کرو چاہے اس کے لئے چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔

۴۔ علم اور عمل: کہتے ہیں کہ میں نے ایک گروہ ایسا دیکھا ہے جو عمل سے علم کو زیادہ اچھا جانتے ہیں اور ایک دوسرا گروہ بھی ہے جو عمل کو علم سے بہتر جانتا ہے۔ دراصل یہ دونوں ہی باتیں درست نہیں ہیں۔ علم اگر ہے تو عمل بھی ہونا چاہیئے۔

۵۔ بے فائدہ علم: ایسا علم جس سے کسی کو فائدہ نہ پہونچے اُس سے پناہ مانگتے

ہیں۔اسی طرح بے علم عابد کی مثال خر کے مانند دی ہے۔

۶۔امداد باری تعالی: کہتے ہیں کہ مشائخ کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ جب بندہ اللہ تعالی کا فرمانبردار ہوتا ہے تو اس کو خدائی قوت اور مدد حاصل ہوتی ہے اور وہ پہلے سے کہیں زیادہ ترقی حاصل کرتا ہے۔

۷۔مقصد زندگانی: پیغمبرؐ نے فرمایا: ہر آدمی کو وہ کام آسان نظر آتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

۸۔زمانے کا حال: کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے ہمیں ایسے زمانے میں پیدا کیا جب لوگوں نے نفسانی خواہشات کا نام شریعت رکھ لیا اور طلب وتکبر کا نام عزت، ریا کاری کو خدا کا خوف اور دل میں کینہ رکھنے کا نام حلم مقرر کیا۔لڑائی جھگڑے کا نام مناظرہ اور اس جہالت کا نام پند ونصیحت، نفاق کو زہد اور لالچ کا نام ارادت، بکواس اور فضولیات کو معرفت، دل کے خیالات کو محبت، بددینی کو فقر اور انکار شریعت کا نام صفائی اور زندیقی یعنی انکار آخرت کا نام فنا فی اللہ اور پیغمبرؐ کی شریعت کو ترک کرنے کا نام طریقت رکھا۔

۹۔تصوف: ہجویری کہتے ہیں کہ ہمارے اس زمانے میں تصوف کا علم درحقیقت ناپید ہوگیا ہے۔خاص کر یہاں جبکہ لوگ نفسانی خواہشات سے مغلوب ہوگئے ہیں اور رضائے الہی کی راہ سے اپنے منھ پھیر لئے ہیں حالانکہ تصوف میں بندہ

نفسانی خواہشات کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔

۱۰۔علم تصوف: علم تصوف کی باتیں سرخ گندھک کی مانند نایاب ہیں کیونکہ وہ بڑی نادر چیز ہے۔جو جل جائے تو کیمیا ہوتی ہے۔

۱۱۔علم اللہ: طالب حق کے لیے لازم ہے کہ اچھی طرح سمجھ لے کہ جو کام مجھ سے ظہور پاتا ہے۔اللہ پاک کا مشہود ہے یعنی اللہ تعالی اُسے دیکھ رہا ہے۔

۱۲۔علم حقیقت: اس کے تین رکن بیان کئے ہیں، ایک اللہ تعالی کی ذات کو جاننا کہ وہ موجود ہے اور واحد ہے، اُس جیسا کوئی نہیں۔دوسرے خدا تعالی کی صفات کو جاننا اور اس کے احکام کو ماننا۔تیسرے اُسکی حکمت وفعل کو جاننا۔

۱۳۔علم شریعت: اس کے بھی تین رکن بیان کئے ہیں: پہلا قرآن کریم دوسرے سنت رسولؐ اور تیسرا اماموں کا اتفاق جسے اجماع امت کہتے ہیں۔

۱۴۔تین قسم کے علم: یعنی علم من اللہ، علم مع اللہ اور علم باللہ۔علم من اللہ علم شریعت ہے جو کہ اللہ تعالی کی طرف سے ہمارے لیے حکم اور ہم پر فرض ہے۔علم مع اللہ مقامات اولیاء اور طریق حق اور درجات کا علم ہے۔اور علم باللہ معرفت الہی ہے۔ تمام انبیاء واولیاء نے اللہ تعالی کو اس سے جانا ہے۔

اسی ضمن میں حاتم اصمؒ سے چار طرح کے علم کی روایت بیان کی ہے۔کہ انہوں نے چار علم اختیار کئے پھر انہیں کسی علم کی ضرورت ہی نہ رہی ان میں پہلا یہ

کہ رزق جو میرے حصہ میں لکھدیا گیا اس سے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ دوسرا یہ کہ اللہ کا جو حق مجھ پر ہے اُسے سوائے میرے اور کوئی شخص ادا نہیں کر سکتا۔ تیسرے یہ کہ موت برحق ہے لہذا اس سے گریز ممکن نہیں۔ اور چوتھا یہ کہ میرا صرف ایک ہی مالک ہے جو میرے ظاہر اور باطن سے واقف ہے۔

۱۵۔ صحبت: تین قسم کے لوگوں سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ غافل عالم، چرب زبان خوشامدی اور جاہل صوفی۔ غافل عالم وہ لوگ ہیں جو دل کو دنیا کی طرف سے ہٹا نہیں پاتے اور شریعت کی آسان باتیں اختیار کر لیتے ہیں۔ بادشاہوں اور ظالموں سے مرعوب ہو کر انکے دربار کو جائے طواف بنا لیتے ہیں اور جاہل صوفی وہ ہے جو کسی پیر کی صحبت میں نہ رہا ہو اور نہ ہی کسی بزرگ سے ادب پایا ہو، اور جو لوگ چرب زبان ہیں ان سے بھی گریز کرنا چاہیئے۔

۱۶۔ خیرات: راہ خدا پر چلنے والے حاجت مندوں کی مدد کرنی چاہیئے ایسے لوگ جو خدا کی یاد میں مصروف ہیں اور انہیں کسی کے پاس جا کر سوال کرنے کی فرصت نہ ہو۔

۱۷۔ فقیر: ایسا شخص جس کے پاس کچھ نہ ہو اور ساتھ ہی کسی چیز کے ملنے سے اس کے خیال میں کوئی خلل نہ آئے۔ یعنی نہ تو اسباب کی موجودگی سے غنی ہو اور نہ ہی اسباب کی کمی پر محتاج ہو۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ فقیر، وہ نہیں جسکا ہاتھ تنگ ہو یا

مال ومتاع سے خالی ہو بلکہ فقیر تو وہ شخص ہے جس کی طبع مراد سے خالی ہو۔ ابوالحسن نوریؒ کہتے ہیں: فقیر کی تعریف یہ ہے کہ جب نہ ملے تو خاموش رہے اور جب کچھ پالے تو دوسرے کو اپنی نسبت اچھا جانے اور فوقیت دے کر خرچ کر دے۔

۱۸۔حرص و آرزو: ایک درویش کا قول بیان کیا ہے کہ میرے دو غلام ہیں ایک حرص اور دوسری آرزو، اور یہ دونوں میرے بس میں ہیں پھر مجھے کسی بات کی کوئی پرواہ نہیں۔

۱۹۔صوفی: اس ضمن میں بہت کچھ لکھا ہے اور کئی کتابوں کے حوالے ہیں، گذشتہ باب میں اس کی تفصیلات بیان کر دی گئی ہیں۔ مختصر یہ کہ صوفی وہ ہے جو نہ تو کسی چیز کا مالک ہو اور نہ ہی خود کسی چیز کی قید میں ہو یا اس کے تابع ہو۔

۲۰۔لباس: صوفیہ کا ظاہری لباس گدڑی ہے اور گدڑی پہنا سنت ہے رسول کریمؐ نے فرمایا: گدڑی پوشی تمہارے لئے لازم ہے تا کہ اپنے دلوں میں ایمان کی لذت پاسکو۔ حضرت عائشہؓ سے فرماتے کہ کپڑے کو ضایع نہ کرو جبتک کہ اس کو پیوند نہ لگالو۔

۲۱۔توبہ: کہتے ہیں کہ اے لوگوں جو ایمان لائے ہو، اللہ کے حضور میں دل سے توبہ کرلو، شاید کہ تمہیں اپنے گناہوں سے نجات حاصل ہو جائے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالی کو توبہ کرنے والوں سے زیادہ اور کوئی پسند نہیں، توبہ کرنے والا

ایسا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ ہی نہیں کیا ہو، کیونکہ گناہوں پر نادم ہونا ہی اصل توبہ ہے۔

۲۲۔نماز: اللہ تعالی نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو (سورۃ ۲۔آیت ۱۱۰) نماز کے اصل معنی ذکر اور طاعت ہے اور اللہ تعالی کا حکم ہے کہ پانچ نمازیں پانچ وقت ادا کرو۔ جس کے لئے چند شرائط بھی ہیں مثلاً طہارت، قبلہ رو ہونا، نیت، قیام، تکبیر نیز رکوع وسجود نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنا۔

۲۳۔اوراد ووظائف: اوراد ووظائف کی شروع دن سے پابندی رکھیں۔ جب عمر دراز ہونے لگے تو بھی جوانی کے ادوار میں کوئی ورد نہ چھوڑیں۔

۲۴۔قرأت: قرأت کے متعلق کہنا یہ ہے کہ درمیانی آواز میں کی جائے۔ اسی ضمن میں ایک روایت بھی بیان کی ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ رات کو نماز پڑھتے تو قرأت نرم آواز سے کرتے اور حضرت عمر خطابؓ با آواز بلند۔ پیغمبرؐ نے دریافت کیا کہ اے ابوبکر آہستہ کیوں پڑھتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ جو میں کہتا ہوں اللہ سب سنتا ہے خواہ آہستہ کہوں یا بلند۔ اور حضرت عمرؓ سے پوچھنے پر جواب ملا کہ سوئے ہوئے لوگوں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو دور بھگاتا ہوں۔ پھر آپؐ نے فرمایا اے ابوبکرؓ آپ تھوڑا بلند پڑھیں اور اے عمرؓ آپ تھوڑا آہستہ پڑھیں۔ یعنی

قرأت کے لئے درمیانی آواز مناسب ہے۔

۲۵۔ دین: اللہ تعالی نے فرمایا اے ایمان والوں جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے پس قریب ہی اللہ ایک ایسی قوم پیدا کرے گا جسے وہ دوست رکھتا ہے اور وہ اُسے دوست رکھتے ہوں۔

۲۶۔ زکوٰۃ: احکام ایمان میں سے ایک رکن زکوٰۃ بھی ہے۔ قرآن میں ہے کہ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو (سورہ ۷۳۔ آیت ۲۰) یعنی جو شخص صاحب نصاب ہوا سے زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اپنے رتبے، مال، گھر اعضاء ہر چیز کی زکوٰۃ دینی چاہیئے مثلاً گھر کی زکوٰۃ انسان مہمان نوازی کے ذریعہ ادا کر سکتا ہے، یا اعضا کی زکوٰۃ عبادت الٰہی کے ذریعہ ادا ہو سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں ابوبکر صدیقؓ کا واقعہ بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہؐ نے اُن سے فرمایا: آپ نے اپنے بال بچوں کے واسطے کیا چھوڑا ہے؟ تو اُنکا جواب تھا: اللہ اور اس کا رسولؐ۔

۲۷۔ سخاوت: کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے فرمایا: سخی جنت سے قریب ہے اور دوزخ سے دور۔ اور بخیل دوزخ سے قریب ہے اور بہشت سے دور ہے۔

۲۸۔ روزہ: روزہ کے بارے میں ہجویری قرآن وسنت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کی اچھی جزا دوں گا۔ لہذا انسان کو چاہیئے کہ روزہ دل

سے رکھے صرف بھوکے رہنے کا نام روزہ نہیں ہے۔ روزہ میں ہر عضو کا روزہ ہے یعنی آنکھ، کان، زبان غرض کہ ہر عضو کو گناہوں سے محفوظ رکھے۔

۲۹۔حج: خداوند تعالی نے فرمایا کہ بندوں پر خالصاً بوجہ اللہ تعالی خانۂ کعبہ کا حج کرنا لازم ہے صرف شرط یہ ہے کہ وہ شخص راستہ طے کرنے اور سفر خرچ کی طاقت و استطاعت رکھتا ہو۔

۳۰۔آداب صحبت: صحبت کے آداب سے متعلق ہجویری کا کہنا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: آداب کی خوبی ایمان سے ہے میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور خوب تادیب کی[۱۴]۔ مقصد یہ ہے کہ ادب کا لحاظ رکھا جائے اور لوگوں کے ساتھ نیک معاملات کئے جائیں۔ اسی سلسلہ میں ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ابویزیدؒ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ نے جو حاصل کیا وہ کس چیز سے حاصل کیا؟ انکا جواب یوں تھا: حق تعالی سے نیک صحبت اور باادب رہنے سے میرا ظاہر و باطن یکساں رہا[۱۵]۔

۳۱۔مفید صحبت: کہتے ہیں کہ مرید کے لئے صحبت بہت اچھی چیز ہے البتہ حق صحبت کا پاس ضروری ہے کیونکہ اکیلا رہنا مرید کو برباد کر دیتا ہے۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا: جو اکیلا ہوتا ہے شیطان اُس کے ہمراہ ہوتا ہے اور جب دو لوگ ساتھ ہوتے

---

[۱۴] کشف: ص، ۳۸۸

[۱۵] کشف: ص، ۳۹۰

ہیں تو شیطان دور ہوتا ہے۔ پس مرید کے حق میں تنہائی کسی بڑی آفت سے کم نہیں ہوتی۔

۳۲۔آداب کی اقسام: شیخ ابونصر سراج صاحب لمع کی ایک تصنیف ''بیان ادب'' میں اقسام ادب کی تفصیلات موجود ہیں۔ شیخ ہجویری نے اسی حوالے سے لکھا ہے: آدمی تین قسم کے آداب میں ہے۔ پہلا اہل دنیا کے انکے نزدیک آداب، دوسرا اہل دین کے انکے نزدیک آداب یعنی نفس کی ریاضت، اعضا کا مؤدب رکھنا، حدود کی نگہبانی وشہوتوں کا ترک، تیسرا اہل خصوصیت کے ان کے نزدیک آداب یعنی دل کا پاک کرنا، عہد کا پورا کرنا، وقت کا خیال، پراگندہ خیالات سے گریز وغیرہ وغیرہ [۱۶]۔

۳۳۔مہمان نوازی: جب کوئی درویش اقامت اختیار کرلے اور سفر میں نہ ہو تو شرط ادب یہ ہے کہ جب کوئی مسافر اس کے پاس آئے تو تعظیماً خوشی خوشی اس کا استقبال کرے اس طرح اس سلسلہ میں اور بھی بہت ساری تفصیلات شیخ صاحب نے بیان فرمائی ہیں جو کشف المحجوب کے مطالعہ سے معلوم ہوسکتی ہے۔

۳۴۔آداب سفر و مسافرت: آداب سفر میں مسافر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے واسطے سفر کرے جیسے حج، زیارت، یا غزوہ وغیرہ۔ ہمیشہ پاک وصاف رہے، اوراد کا ورد جاری رکھے، سفر میں اپنی ضروری اشیاء جیسے مرقع (گدڑی)،

---

[۱۶] کشف: ص، ۴۰۸

مصلی، مشکیزہ، جوتے، رسی اور عصا وغیرہ ساتھ رکھے۔ اگر سنت رسولؐ کا پابند ہے تو کنگھی، مسواک، سرمہ، سوئی، ناخن تراش وغیرہ بھی رکھے۔ اور مسافرت کے آداب میں مسافر کو چاہئے کہ حافظ سنت ہو۔ جب بھی کسی مقیم کے پاس جائے تو ادب سے اس کے پاس آئے سلام کرے۔ اور جب وضو کرے تو دو رکعت تحیت الوضو پڑھے ساتھ ہی مقیموں اور میزبانوں کے حال پر اعتراض یا نکتہ چینی نہ کرے۔

۳۵۔ آداب طعام: انسان کے لئے غذا نہایت ہی اہم چیز ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ رات دن تمام وقت کھانے پینے میں صرف کرے۔ زیادہ کھانا یوں بھی بہت سی بیماریوں کی جڑ ہے۔

۳۶۔ قبول دعوت: مذہب کی رو سے اہم ترین شخصیت وہ ہے جو درویش کی دعوت کو قبول کرلے اور دنیادار کی دعوت کو رد کردے۔ جب دعوت میں حاضر ہو تو کھانا کھانے یا نہ کھانے میں تکلف نہ کرے۔

۳۷۔ آداب رفتار: خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے: بندگان خدا زمین پر جب چلتے ہیں تو باتمکین اور فروتنی کے ساتھ آہستہ قدم رکھتے ہیں [۱]۔

۳۸۔ حساب سے معافی: رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تین لوگ حساب سے معاف

---

[۱] کشف: ص، ۴۰۶

ہیں ایک سویا ہوا جبتک کہ وہ نیند سے بیدار نہ ہو، دوسرا بچہ جب تک کہ بالغ نہ ہو، اور تیسرا دیوانہ جب تک کہ ہوش میں نہ آ جائے۔ کیونکہ ایسے میں انکا نفس پاک ہوتا ہےاور کراماً کاتبین بھی لکھنے سے آرام کرتے ہیں [۱۸]۔

۳۹۔ گفتگو اور خاموشی کے آداب: رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میں اپنی امت کی جس چیز سے سب سے زیادہ ڈرتا ہوں وہ اُسکی زبان ہے، لہذا بات کرنے کے دوران اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ کوئی غلط بات یا الفاظ زبان سے نہ نکلیں۔ ایک جگہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ جو چپ رہا اُس نے نجات پائی۔

۴۰۔ توکل: خدا کے سوا اور کسی پر بھروسہ نہ کرے۔ توکل سے متعلق (سورۃ ۲۵: آیت ۶۴) ابوحمزہ خراسانیؒ کی ایک مشہور حکایت بھی سید ہجویری نے بیان کی ہے جو توکل میں ثابت قدم تھے۔

۴۱۔ تکبر: غرور اور تکبّر سے پرہیز کی سخت تنبیہ کی ہے۔

۴۲۔ آداب سوال: انسان جو کچھ بھی مانگے اپنے اللہ سے مانگے، اور اگر اُسے مقصود مل جائے تو نہ ملنے کی بہ نسبت زیادہ خوش نہیں ہونا چاہیئے۔ اور اپنا راز صرف اس شخص پر ظاہر کرے جس کا مال حلال ہونے کا اعتبار ہو۔ اور اللہ کے نام پر کچھ طلب نہ کرے نا ہی زیادہ حصول کے لئے اپنی پارسائی ظاہر کرے۔

۱۸؎ کشف: ص، ۴۰۸

۱۹؎ کشف: ص، ۴۱۱

۴۳۔نکاح: رسول اللہؐ نے فرمایا: آپس میں نکاح کراؤاور زیادہ ہو جاؤ۔قیامت کے روز یقیناً میں تم دوسری امتوں کے مقابلہ فخر کروں گا۔۱۹

۴۴۔قرآن پاک کا سننا: خداوندعزوجل نے فرمایا: جب قرآن شریف پڑھا جائے تو اُسے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے (سورۃ ۷، آیت ۲۰۳) ۲۰ قرآن پاک کی تعظیم کریں اور غور سے سنیں تا کہ دلوں میں خدا کا خوف پیدا ہو۔

۴۵۔اشعار کا سننا: اشعار کا سننا مباح ہے اور پیغامبرؐ نے شعر سنے ہیں ۲۱۔ صحابہ کرام نے کہا ہے اور سنا ہے کہ رسول اللہؐ سے روایت ہے کہ شعر حکمت ہوتے ہیں اور حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے۔ اسے جہاں سے بھی ملے اس پر اس کا حق ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا کہ یہ کلام ہے جس میں اچھا، اچھا اور برا، برا ہوتا ہے۔

۴۶۔لحن اور آواز: حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ اپنی آوازوں کو قرآن مجید پڑھنے کے لیے اچھا بناؤ ۲۲۔

۴۷۔تزکیہ نفس: سید ہجویری کہتے ہیں کہ میں نے دل میں پیدا ہونے والی ہر خواہش سے منہ موڑ لیا۔ اور پھر اسی نکتہ کو مختلف اقوال کی رو سے سمجھاتے ہیں کہ جس نے اپنے نفس کی بابت یہ جان لیا کہ یہ فنا ہونے والی چیز ہے تو اس نے اپنے

---

۲۰ کشف: ص ۴۵۸

۲۱ کشف: ص ۴۵۵

۲۲ کشف: ص ۴۵۹

رب کو پہچان لیا کہ وہی باقی رہنے والی ذات ہے۔ اور ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ جس نے اپنے نفس کو زندگی سے پہچان لیا اُس نے اپنے رب کو ربوبیت سے پہچان لیا۔

۴۸۔ سماع وآداب سماع: کہتے ہیں کہ جب بھی سماع کرو تو رشد کی موجودگی میں کرو۔ سماع کا مقام عوام سے خالی ہو، دل لہو ولعب سے پاک ہو اور جب تک ضرورت نہ ہو سماع نہ کرے۔ کبھی کبھار کر بھی لے تو اُسے عادتاً اختیار نہ کرے۔

۴۹۔ خواندگی کی تعلیم: پیغمبر اکرمؐ کے حوالے سے سید ہجویری لکھتے ہیں کہ کمال پرہیزگاری ناخواندہ کو پڑھانا ہے[۲۳]۔

۵۰۔ نیند سے متعلق: سفر اور اقامت میں نیند سے متعلق مشائخ میں بہت اختلاف ہے۔ ایک گروہ ایسا ہے جسکے نزدیک مرید کا سونا صحیح نہیں مگر نیند جب غالب آجائے تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ نیند کو ہٹایا نہیں جاسکتا۔ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ نیند موت کا بھائی ہے[۲۴]۔ اور یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ موت کسی بلا سے کم نہیں جبکہ زندگی نعمت خداوندی ہے۔

---

[۲۳] کشف: ص، ۳۹۲

[۲۴] کشف: ص ۴۰۸

باب پنجم

نصاب تصوف یعنی کشف المحجوب

اسلام میں تصوف کا تصور صحابۂ کرامؓ کے زمانہ مبارک سے ہی قایم ہو گیا تھا، تاہم اس اصطلاح کا استعمال دوسری صدی ہجری میں مختلف تصنیفات میں ظاہر ہوا۔ چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں (۳۰۹ھ/۹۲۲ء) حسین بن منصور حلاج کے قتل نے صوفیوں کی دنیا میں ایک ہنگامہ سا برپا کر دیا چنانچہ یہ بات واضح کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اصل تصوف کیا ہے نیز طریقت اور شریعت کا باہمی تعلق کیا ہے، اس مقصد کی تکمیل کے لئے تصوف کے موضوع پر جامع تصنیفات کا سلسلہ شروع ہوا۔

تذکرہ نویس بتاتے ہیں کہ اس موضوع پر سب سے پہلی تصنیف شیخ ابوبکر محمد بن ابراہیم بخاری کلاباذی (متوفی ۳۸۰ھ/۹۱-۹۹۰ء) کی 'التعرف فی مذہب التصوف''، تھی۔ اس کے بعد شیخ ابوالنصر سراج (متوفی ۳۷۸ھ/ ۹۸۸ء) نے اپنی مشہور تصنیف ''کتاب اللمع فی التصوف'' تالیف کی مگر یہ دونوں تصنیفات عربی زبان میں تھیں۔ اگر چہ اول الذکر کتاب کی شرح فارسی زبان میں ابو ابراہیم اسماعیل بخاری (متوفی ۴۳۴ھ/۱۰۴۳ء) نے کی[۲۵]۔ لیکن یہ صرف شرح تھی اس کے بعد ''کشف المحجوب''، لکھی گئی جو دراصل طبعزاد ہے اور اسی وجہ سے فارسی

---

[۲۵] داتا گنج،ص:۹۴

زبان میں تصوف کی قدیم ترین کتاب تسلیم کی گئی۔

تذکرہ نویسوں کے مطابق اس کا پورا نام ''کشف المحجوب لارباب القلوب'' ہے [۲۶]۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کا نام کشف المحجوب کیوں رکھا گیا، اگر اس کی وجہ تسمیہ پر گفتگو کریں تو اس کے لئے ایک الگ ہی باب درکار ہوگا۔ میری ناقص رائے یہ ہے کہ جو اہل دل، اہل طریقت ہیں انکے جو بھی اشغال و اعمال ہیں انہیں واضح طور سے اس طرح بیان کرنا کہ کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے ظاہر ہے کہ یہ کتاب راہ حق کے بیان، کلمات حق کی شرح اور حجاب بشریت کے کشف میں لکھی گئی ہے، اور اگر مصنف کے مقدمہ پر غور کیا جائے تو سید ہجویری کا کہنا ہے کہ یہ کتاب ابوسعید ہجویری کی درخواست پر لکھی گئی۔ بالخصوص اُن سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے جو ابوسعید ہجویری نے سید صاحب سے کئے، لکھتے ہیں۔

> ''این کتاب را کشف المحجوب نام کردم، مراد آن بود، کہ تا نام کتاب ناطق باشد برآنچہ اندر کتابست۔ ھر گروھی را کہ بصیرت بود، چون نام کتاب بشوند، دانند کہ مراد از آن چہ بودہ است۔ و برانکہ ھمہ عالم از لطیفۂ تحقیق خداوندی محجوب اند، بجز اولیای خدای تعالی وجل، و عزیزان

[۲۶] کشف الظنون: حاجی خلیفہ، ستون ۱۴۹۴

درگاهش۔ و چون این کتاب اندر بیان حق بود، و شرح کلمات و کشف حجب بشریت جز این نام وی را اندر خود نبود، بحقیقت کشف هلاک محجوب باشد، ہمچنانکہ حجاب هلاک مکاشف۔۔۔'' ۲۷

اور شیخ ابوسعید ہجویری کے سوالات کا انداز کچھ اس طرح تھا:

''تحقیقی طور پر بیان فرمائیے کہ طریقت وتصوف اور ان کے مقامات کی کیفیت اور ان کے مذاہب واقوال اور رموز واشارات کیا کیا ہیں؟ اور یہ کہ اہل طریقت وتصوف، اللہ تعالی سے کس طرح محبت کرتے ہیں، اور ان کے دلوں پر تجلیات ربانی کے اظہار کی کیفیت کیا ہوتی ہے؟ اور یہ کہ اس کی ماہیت کی، کُنہ کے ادراک سے عقلیں حجاب میں کیوں ہیں اور نفوس انسانی اس کی حقیقت سے کیوں منفرد ہیں؟ اور صوفیائے کرام کی ارواح کو اس کی معرفت سے کیسے راحت و آرام ملتا ہے، نیز اس ضمن میں جن باتوں کا جاننا ضروری ہے وہ بھی بیان فرمائیے'' ۲۸

---

۲۷ کشف المحجوب (تہران) ص: ۷
۲۸ کشف المحجوب (اردو ترجمہ) ص ۳۱

اس طرح اگر اس کی تفصیل میں جایا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ابو سعید ہجویری کے سوالات تقریباً گیارہ نکات پر مشتمل تھے جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ تحقیقات طریقت تصوف

۲۔ ان صوفیہ کے مقامات کی کیفیت

۳۔ ان کے مذاہب

۴۔ ان کے اقوال

۵۔ ان کے رموز و اشارات

۶۔ محبت خداوند عزوجل کی کیفیت

۷۔ اور دلوں میں اس کے اظہار کی کیفیت

۸۔ گنہ سے حجاب عقول کا سبب اور اس کی ماہیت

۹۔ اور اس کی حقیقت سے عزت نفس

۱۰۔ آرام روح اور اس کی صفات

۱۱۔ متعلقہ معاملات

سید ہجویری نے ان تمام سوالوں کے جواب کشف کی صورت میں علمی دلایل و براہین اور قرآنی آیات و احادیث کے ساتھ پیش کئے ہیں۔ اس کتاب میں جہاں تصوف کی حقیقت اور اسکے رموز و نکات بیان کئے گئے ہیں اس کے ساتھ ہی

اس کی تعلیم وتدریس کے مطابق تربیت کی ضرورت بھی بیان کی گئی ہے۔ابواب کی ترتیب حسب ذیل ہے:

الف (مقدمۂ مصنف)

۱۔ باب اثبات العلم

۲۔ باب الفقر

۳۔ باب التصوف

۴۔ باب مرقعہ داشتن

۵۔ باب اختلافہم فی الفقر والصفوۃ

۶۔ باب بیان الملامہ

۷۔ باب ذکر ائمتہم من اصحابہ والتابعین

۸۔ باب فی ائمتہم من اہل البیت

۹۔ باب ذکر اہل الصفہ

۱۰۔ باب فی ذکر ائمتہم من اتباع التابعین الی یومنا

۱۱۔ باب فی ذکر ائمتہم من المتاخرین

۱۲۔ باب فی ذکر رجال الصوفیہ من المتاخرین علی الاختصار من اہل البلدان

۱۳۔ باب فی فرق فرقہم ومذاہبہم وآیاتہم ومقاماتہم وحکایاتہم

۱۴۔ مکتبہای صوفیہ،عقاید واقوال ونظریات آنہا

۱۵۔ حقیقت نفس ومعرفت آن۔

(کشف المحجوب،تہران)

کشف المحجوب کے مشمولات میں سب سے پہلا موضوع حصول علم ہے جس کی اہمیت قرآن اور احادیث کے مختلف حوالوں کے ذریعہ بیان کی گئی ہے۔یہ باب پانچ فصلوں پر مشتمل ہے جن میں بالترتیب ثبوت علم،علم کی اقسام،معرفت و شریعت، مذہب سوفسطائیہ اور صوفیہ کے اقوال سے متعلق تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ساتھ ہی بے منفعت علم سے گریز کی طرف بھی اشارہ ہے۔حصول علم کے ساتھ اس کے مطابق عمل کی تلقین بھی کی گئی ہے جیسے کسی سبق کے بعد مشقوں کی ضرورت ہوتی ہے۔کہیں کہیں عملی مشقوں کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ چونکہ ہم اس کتاب کو نصاب مان کر چل رہے ہیں لہذا ہر نصاب کے پس پشت کوئی قوی اور وسیع تر مقصد بھی کارفرما ہوتا ہے۔علم حاصل کرنے کا خاص مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس پر صحیح طور سے عمل کیا جائے اس طرح دیکھا جائے تو علم اور عمل ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم قرار دیئے گئے ہیں اس کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عالم کسے کہا جائے تو حضرت نے اس بات کی بھی وضاحت فرمادی ہے کہ وہ شخص جو علم

کوصرف دنیاوی عزت وشہرت اور جاہ ومنصب کی خاطر حاصل کرتا ہے درحقیقت وہ عالم کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہے۔

علم کی قسموں کے ضمن میں اس کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں ایک وہ جسے علم اللہ کہا ہے اور دوسرا علم مخلوق کا ہے۔علم اللہ یعنی اللہ کی ذاتی صفات کا بیان۔یعنی اللہ ہر معدوم وموجود کو جانتا ہے اس میں نہ کوئی مخلوق شریک ہے اور نہ اس کا علم منقسم ہوسکتا ہے وہی خالق کائنات ہے طالب حق کو چاہئے کہ وہ خدا کے مشاہدے میں عمل کرے یعنی بندے کو یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ وہ جو کچھ بھی کررہا ہے۔وہ سب کچھ اللہ تعالی کے علم میں ہے۔اور بندے کی تمام حرکات وسکنات پر اس کی نظر ہے۔

علم کے بعد اس نصاب کا اگلا موضوع فقر ودرویشی یعنی صوفیہ کرام سے متعلق ہے،فقر ودرویشی کیا ہے فقراء کے مدارج،فقر وغنا کی فضیلت،اہل طریقت کے نزدیک غنا کے معانی ومطالب نیز فقر سے متعلق چند رموز وکنایات،مثال کے طور پر ایک جگہ فقراء کے درجہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ بارگاہ احدیت میں فقراء کا بڑا مقام ہے۔اللہ نے انہیں خاص منزلت ورحمت سے نوازا ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جو اسباب ظاہری و باطنی سے ترک تعلق کرکے مکمل طور پر وحدتِ الٰہی پر قناعت کرتے ہیں اور اپنے آپ کو صرف اللہ کی بندگی کے لئے وقف کردیا ہے۔یہ وہ

لوگ ہیں جوفقر کی دوری پر آہ وزاری اور اسکی قربت پر مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔

فقیر کے باب میں کہتے ہیں کہ فقیر یا درویش وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو، اور نہ ہی اس کے نہ ہونے سے اُس فقیر کو کوئی محتاجی ہو، گویا اسباب کا ہونا یا نہ ہونا دونوں ہی کیفیات اس کے فقر میں یکساں ہیں۔ بلکہ اسباب کی غیر موجودگی میں زیادہ خوش وخرم رہتا ہے۔ کیونکہ درویش کے نزدیک دنیاوی اسباب کا ظاہری وجود بھی تنگدلی کا موجب ہوتا ہے۔ صوفیاء کرام ومشائخ کی رائے یہ ہے کہ جو فقیر جس قدر تنگ دستی میں گذر بسر کرتا ہے اس کا حال اتنا ہی زیادہ کشادہ نظر آتا ہے۔ چنانچہ یہ درویش صفت لوگ اللہ کی رضا کی خاطر دنیاوی آرایش وزیبایش سے کنارہ کشی کو ہی افضل سمجھتے ہیں۔

اس کے بعد نصاب کا اگلا موضوع تصوف سے متعلق ہے، یعنی تصوف کیا ہے، اس کے معنی کیا ہیں، اس کی قسمیں کیا ہیں، صوفیہ کسے کہتے ہیں ان کے اوصاف وآداب نیز اخلاق، صوفیہ کے بنیادی خصائل، ان کے معاملات، رہن سہن، لباس پوشاک مریدی کی تربیت، غرض کہ چھوٹی سے چھوٹی کسی بھی بات کو اس موضوع سے متعلق تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔

آیئے دیکھیں کہ صوفی کون لوگ ہیں، کیونکہ صوفی لفظ پر علماء میں بڑا اختلاف پایا گیا ہے ہجویری فرماتے ہیں:

مردمان اندر تحقیق این اسم بسیار
سخن گفتہ اند و کتب ساختہ۲۹

تاریخ مشائخ کے مصنف کا خیال ہے کہ لفظ صوفی صوف سے مشتق ہے چنانچہ شیخ ابونصر سراج فرماتے ہیں۔

الصوفیه نسبوا الی ظاهر للسبحة، لان لبسة التصوف داب الانبیاء و شعار الاولیاء و الاصفیا ۔۳۰ یعنی صوفیہ اپنے ظاہری لباس کی وجہ سے صوفی کہلائے یہ اسلئے کہ بھیڑوں کے اون کے کپڑے پہننا، انبیاء، اولیاء برگزیدہ ہستیوں کا نشان خاص ہے۔

پروفیسر براؤن نے بھی اپنی کتاب ۳۱ میں اس خیال کی تائید فرمائی ہے کہ صوفی کی نسبت لفظ صوف کی طرف ہے کیونکہ ایران میں صوفی کو پشمینہ پوش بھی کہا جاتا ہے۔

صوفی لفظ کا استعمال کب اور کیسے ہوا اس ضمن میں امام قشیری اپنے رسالہ ۳۲ میں لکھتے ہیں:

---

۲۹ کشف ص ۲۲ تاریخ مشائخ ص ۱٦

۳۰ کتاب اللمع ص ۲۱

31- Literary History of Persia Vol-I. P.417.

۳۲ رسالہ قشیریہ مطبوعہ مصر، ص ۹

''رسولؐ کے بعد صحابہ کے سوا برگزیدہ مسلمانوں کا اور کوئی لقب قرار نہیں دیا گیا کیونکہ شرف صحبت سے بڑھ کر اور کوئی شرف نہیں ہوسکتا تھا۔ جن لوگوں نے صحابہ کی صحبت پائی ان کو تابعین کہا گیا اور اس کے بعد کے لوگ تبع تابعین کہلائے۔ پھر لوگوں کے مختلف درجے ہوتے گئے۔ اس لئے جن بزرگوں کی توجہ دین کی طرف زیادہ ہوئی ان کو زاہد و عابد کے لقب سے پکارا گیا لیکن جب بدعات کا ظہور ہوا اور مختلف فرقے پیدا ہو گئے تو ہر فریق نے دعوی کیا کہ ان میں زہّاد پائے جاتے ہیں۔ اس لئے خواص اہل سنّت، ''صوفیہ'' کے نام سے ممتاز ہوئے اور دوسری صدی سے پہلے ان بزرگوں نے اس نام سے شہرت پائی''۔

اسی طرح مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے اپنی تصنیف میں شیخ ابو ہاشم کوفی (متوفی ۱۵۰ھ) کو پہلا بزرگ صوفی قرار دیا ہے لکھتے ہیں:

''اول کسی کہ وی را صوفی خوانده اندوی بود، پیش از وی کسی را باین نام نخوانده بودند''۳۳

---

۳۳ نفحات الانس، ص ۲۲

ابومحمد جعفر بن احمد بن حسین سراج القاری نے امیر معاویہ کا ایک خط اپنی کتاب[۳۴] میں نقل کیا ہے، جو انہوں نے ابن ام الحکم، گورنر مدینہ کے نام لکھا تھا اس میں ایک شعر تھا:

"قد كنت تشبه صوفياله كتب من الفرائض"

جس کا ترجمہ تھا:

''تو مشابہ تھا ایسے صوفی سے جس کے پاس کتابیں ہوں۔
جن میں فرائض اور آیات قرآن مذکور ہوں''۔

اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کرلیں تو صوفی کا لفظ پہلی صدی ہجری میں بھی استعمال ہونا ثابت ہوجاتا ہے۔ کشف المحجوب میں تصوف کے ماننے والوں کو تین حصّوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ پہلا صوفی، دوسرا متصوف اور تیسرے کے لئے مستصوف کی اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ ہجویری نے صوفی کی تعریف متعین کردی ہے، البتہ متصوف وہ ہے جو ریاضت و مجاہدے کے ذریعہ اعلیٰ مقام کی طلب کرے، اور مستصوف وہ ہے جو دنیاوی عزت و منزلت اور مال و دولت کے حصول کی خاطر خود کو دنیا والوں کے سامنے ایسا ظاہر کرے۔

صوفیہ کرام کے بعد اس نصاب کا اگلا موضوع خلفائے راشدین، اہل بیت، اصحاب صفّہ نیز تبع تابعین پر مشتمل ہے اس حصہ میں تقریباً چونسٹھ (٦٤) لوگوں کے تذکرے شامل کئے گئے ہیں جو چودہ (١٤) ابواب میں منقسم ہیں۔ مثال کے

---

[۳۴] مصارع العشاق: ص ۲۲۴

طور پر حضرت حبیب عجمیؒ، حضرت مالک بن دینارؒ، حضرت ابو حازم مدنیؒ، حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ، حضرت عبداللہ بن مبارک مروزیؒ، حضرت ابراہیم بن ادہمؒ، بایزید بسطامیؒ، حضرت معروف کرخیؒ، حضرت احمد بن حنبلؒ، حضرت ابوعبداللہ بن خفیفؒ، وغیرہ۔ اسی طرح مشائخ کی بھی ایک مختصر سی فہرست ہے جس میں تقریباً دس (۱۰) نفوس شامل تذکرہ ہیں مثال کے طور پر حضرت ابوالعباس احمد بن محمد قصابؒ، حضرت ابوعلی بن حسین بن محمد دقاقؒ، حضرت ابوالقاسم قشیریؒ، ابوالفضل محمد بن حسن ختلیؒ، اور ابوالقاسم بن علی گرگانیؒ، وغیرہ۔ اسی طرح خلفائے راشدین کے عنوان سے بھی چاروں خلفاء کا بالتفصیل ذکر ہے۔ اور اس کے بعد اسی میں اہل بیت کے احوال بھی مذکور ہیں جن میں سید امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ، حضرت سجاد زین العابدینؓ، حضرت امام ابوجعفر، محمد باقر صادق و حضرت امام جعفر بن محمد صادق کے تذکرے شامل ہیں۔

مذکورہ باب میں اسی عنوان کے تحت ایک جگہ ''اصحاب صفہ'' کی بھی تفصیل بیان کی ہے جن میں معروف ترین حضرت اویس قرنیؓ، حضرت ہرم بن حبانؓ، حضرت حسن بصریؒ و حضرت سعید بن مسیّبؒ کے تذکرے نیز معروف حکایات دلچسپ پیرایہ میں بیان فرمائی ہیں۔

اہل بیتؑ اور مشائخ کے تذکروں کے بعد چند مخصوص ممالک جیسے عراق، شام، فارس، کرمان، خراسان و آذربائیجان وغیرہ کے مشائخ کا بھی خصوصی طور پر

ذکر کیا ہے۔ مثال کے طور پر عراق و شام کے مشایخ میں شیخ ذکی بن علاء، شیخ ابو جعفر محمد بن مصباح صیدلانی، شیخ ابوالقاسم اسی طرح فارس سے شیخ ابوالحسن بن سالبہ شیخ مرشد ابواسحاق بن شہریار، شیخ ابوالحسن بن بکران، شیخ ابومسلم ہروی، شیخ ابوالفتح سالبہ، شیخ ابوطالب اور شیخ الشیوخ ابواسحٰق راندیدہ جوان میں سب سے بزرگ ہیں وغیرہ وغیرہ۔

آذربائیجان اور بحرستان وغیرہ سے شیخ شفیق فرح معروف بہ اخی زنجانی، شیخ ابوعبداللہ جنیدی، شیخ ابوطالب مکشوف، خواجہ حسن سمنانی، شیخ سہلکی، احمد بن شیخ خرمانی اور حضرت ادیب کمندی کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ اسی طرح آذربائیجان کے علاوہ کرمان اور خراسان سے حضرت خواجہ علی بن حسین کیرکانی، حضرت ابوالعباس دامغانی، حضرت ابوجعفر محمد بن علی الجوینی، ابوجعفر ترشیزی، خواجہ محمود نیشاپوری، شیخ نجار سمرقندی وغیرہ کا ذکر ہے۔

ماوراء النہر اور غزنی کے شیوخ میں حضرت احمد ایلاقی، شیخ عارف، حضرت ابوالفضل بن اسدی، شیخ سالار، شیخ دانا، حضرت سعید بن ابی سعید اور شیخ اوحد وغیرہ یہ وہ مشایخ و بزرگان دین ہیں جن سے ہجویری نے نہ صرف خود ملاقات کی بلکہ ان حضرات کا مقام بھی معلوم کیا۔

اس کے بعد اس نصاب کا ایک اہم موضوع آتا ہے جو ''صوفیہ کے مختلف

مکاتب و مذاہب'' کے عنوان سے ہے، سید ہجویری کے مطابق: صوفیہ کے بارہ فرقے ہیں۔ ان میں دس مقبول اور دو مردود ہیں۔ دس مقبول فرقوں کے طریق عمل مختلف ہیں مگر اصول وفروع شرع اور عقیدۂ توحید میں سب متفق ہیں۔ ان میں فرقہ محاسبیہ، فرقہ طیفوریہ، فرقہ جنیدیہ، فرقہ نوریہ، فرقہ سہیلیہ، فرقہ حکیمیہ، فرقہ خرازیہ، فرقہ خفیفیہ، فرقہ سیاریہ کے طریقہ عمل، اورادو وظائف اور خیالات و نظریات پر سیر حاصل گفتگو ہے۔

بقیہ جو دو مردود فرقوں کا ذکر ہے اس میں انہوں نے فرقہ حلولیہ کے دو گروہوں کو شامل کیا ہے، ان میں سے ایک ابوحلمان دمشقی سے اور دوسرا فارس سے تعلق رکھتا ہے چونکہ ان کے عقائد نظریۂ توحید سے مختلف ہیں لہذا انہیں مردود قرار دیا ہے۔ سید ہجویری نے ان مذکورہ فرقوں کے عقاید ونظریات اور افکار واعمال پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ ضمنی طور پر تصوف اور شریعت کی مختلف اصطلاحات مثلاً حقیقت رضا، مقام وحال، سکر وصحو، حقیقت ایثار، اثبات کرامت، حقیقت نفس ومعنی، مجاہدہ نفس، معجزہ، فنا وبقا، غیبت وحضور وغیرہ پر تفصیلی بحث کی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اسی باب سے ''کشف'' کا سلسلہ بھی شروع ہوجاتا ہے۔ جس کی تفصیل بعد میں بیان کی جائے گی۔

اس نصاب کا اگلا باب ''توبہ اور متعلقات توبہ'' سے متعلق ہے جس میں توبہ کی تعریف نیز اس کی قسمیں وخصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ اسی طرح اگلے باب کا

عنوان ''محبت اور متعلقات محبت'' ہے جس میں محبت کے معنی و مفہوم کی وضاحت ہے۔

اسکے بعد جود وسخا، گرسنگی، مشاہدہ، صحبت، آداب صحبت، آداب سفر، کھانے پینے، چلنے پھرنے کے آداب، سفر وحضر میں سونے جاگنے کے آداب، گفتگو اور خاموشی کے آداب، نکاح و تجرد، اور اسی طرح کے دیگر موضوعات پر مشتمل انتالیس باب اس کتاب کے موضوعات رہے ہیں جن میں آخری اور اہم باب سماع اور آداب سماع سے متعلق ہے۔

اس عنوان کے تحت متعدد موضوعات زیر بحث آئے ہیں جن سے سماع کی کیفیات، وجد، وجود، رقص، جامہ دری، مقامات سماع، اس کے آداب اختلافات، شرائط و قیودات، محفل سماع نیز پیرومرشد کی موجودگی ان تمام موضوعات کو بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔

یہ تمام عنوانات تو وہ ہیں جو ضمنی طور پر کتاب میں شامل ہوتے گئے ہیں لیکن جہاں بات ''کشف'' کی آتی ہے تو یہاں ایک بار پھر یہ وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے اس ضمن میں گیارہ موضوعات کا انتخاب کیا ہے اور ہر ایک موضوع ایک کشف کے نام سے معنون ہے جو مکمل باب کی شکل میں نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

معرفت الٰہی: مثال کے طور پر اس نصابی کتاب کا پہلا باب یعنی کشف حجاب اول سلسلۂ معرفت الٰہی کے عنوان سے ہے جس میں معرفت کے نظریاتی اختلافات اور اس سے متعلق رموز ولطائف کا بیان ہے۔ایک حدیث کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت کما حقہ حاصل ہوتی تو تم دریاؤں پر خشک قدم چلتے اور تمہاری دعاؤں سے پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جاتے۔''[۳۵]

اس کے بعد معرفت الٰہی کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں ایک معرفت علمی اور دوسرے معرفت حالی۔معرفت علمی تو وہ ہے جس میں دنیا وآخرت کی تمام نیکیاں پوشیدہ ہیں۔اور یہ معرفت بندے کے لئے ہر حال اور ہر قیمت پر تمام چیزوں سے افضل ہے۔اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کے دل میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کچھ نہ ہو۔لہذا بندے کی قدر ومنزلت معرفت سے ہے۔اسی وجہ سے تمام علماء و فقہاء علم کی صحت اور درستگی کو معرفت الٰہی کے ساتھ ہی موسوم کرتے ہیں۔اور تمام مشائخ طریقت، حال کی صحت اور اس کی درستگی کو معرفت الٰہی سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی بناء پر وہ معرفت کو علم سے افضل کہتے ہیں۔کیونکہ صحت حال، صحت علم کے بغیر ممکن نہیں اور صحت علم کے لئے صحت حال لازمی ہے۔مطلب یہ کہ بندہ اس

---

۳۵ کشف المحجوب (اردو ترجمہ) ص، ۳۸۶

وقت تک عارف نہیں ہوسکتا جب تک کہ عالم بحق نہ ہو۔ البتہ عالم کے لئے یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ عارف نہ ہو۔ جولوگ اس معنی اور حقیقت سے ناواقف ہیں خواہ ان کا تعلق کسی بھی طبقہ سے ہو، ان سے مناظرہ کرنا بے فائدہ ہے۔

معرفت الٰہی اور اس کے علم کی صحت سے متعلق لوگوں میں بہت سے اختلافات ہیں۔ کچھ کا خیال ہے کہ خدا کی معرفت عقلی ہے۔ عاقل کے سوا اس کی معرفت جائز نہیں یہ قول باطل ہے اس وجہ سے کہ وہ دیوانے جو دارالاسلام میں ہوں ان کے لئے حکمی معرفت ہے۔ اسی طرح وہ بچے جو عاقل نہیں ان کے لئے حکمی ایمان ہے۔ اگر حکم معرفت میں عقل شرط ہوتی تو جنہیں عقل نہیں وہ معرفت کے حکم میں نہ ہوتے اور کافروں میں چونکہ عقل ہے تو ان پر کفر نہ ہوتا اور اگر معرفت کے لئے عقل علّت ہوتی تو ہر عاقل کو عارف کہا جاتا اور ہر بے عقل کو جاہل یہ ایک مسلسل بحث ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اللہ کی معرفت کی علت، استدلال ہے اور جس میں استدلال کی استعداد نہ ہو اس کے لئے یہ جائز نہیں جبکہ یہ قول بھی ابلیس کی مثال سے باطل ٹھہرتا ہے کیونکہ ابلیس نے متعدد نشانیاں اور آیات الٰہیہ دیکھیں مثال کے طور پر جنت، عرش و کرسی اور دوزخ وغیرہ لیکن اس کے باوجود بھی معرفت اس کے حصہ میں نہ آئی۔ لہٰذا اگر آیات الٰہیہ کی دید اور ان کا استدلال معرفت حق کا

سبب ہوتا تو اللہ تعالیٰ معرفت کی علت انہیں قرار دیتا نہ کہ اپنی مشیت کو۔ اور اہل سنت و جماعت کے نزدیک صحت عقل، اور رویت آیات الٰہیہ معرفت کا سبب ہے نہ کہ اسکی علت۔

دیگر کچھ اور حضرات کا خیال ہے کہ معرفت الٰہی ''الہامی'' ہے۔ یہ سوچ بھی صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ معرفت کے لئے صادق و کاذب ہر طرح کی دلیلیں ہوسکتی ہیں اور الہام والوں کے لئے خطا و صواب پر محتمل دلیل نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ ایک کہے گا مجھے الہام ہوا ہے کہ خدا مکان میں ہے اور دوسرا کہے گا کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ اس کے لئے مکان نہیں ہے۔ اور یقیناً ان دونوں میں سے کوئی ایک دعویدار ہی برحق ہوگا۔

اسی طرح ایک اور گروہ کا کہنا ہے کہ معرفت حق ضروری یعنی بدیہی ہے۔ حالانکہ یہ قول بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ بندے کے لئے ہر وہ چیز جس کا اسے علم ہوا گر بدیہی ہوتو ضروری ہے کہ اس میں تمام عقلاء مشترک و متحد ہوں۔ اس طرح ہم دیکھیں گے کہ یہ مسئلہ لوگوں کے درمیان کافی اُلجھ گیا ہے۔ ہمارے لئے صرف اتنا ہی جان لینا کافی ہوگا کہ بندے کو علم اور حق تعالیٰ کی معرفت اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ اللہ ازلی علم و ہدایت کی توفیق عطا نہ فرمائے۔

مختصراً معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کو خدا کی ملکیت سمجھے۔ اور بندہ جب

یہ جان لیتا ہے کہ ہر چیز خدا کی ملکیت ہے اور اسی کے تحت تصرف میں ہے تو پھر اس کو کسی مخلوق سے کوئی سروکار نہیں رہتا حتیٰ کہ خود اپنے آپ سے بھی نہیں وہ اپنے آپ سے اور تمام مخلوق سے محجوب ہو جاتا ہے۔

توحید: دوسرا کشف توحید کے بیان میں ہے۔اس سلسلہ میں ایک دو آیات کا حوالہ پیش کیا ہے مثال کے طور پر:

وَاِلٰھُکُمۡ اِلٰہٌ واحدٌ	تمہارا معبود ایک ہی ہے
یا قُلۡ ھُوَ اللہُ اَحَدٌ	تم فرمادو کہ اللہ اکیلا ہے

توحید کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ ایک ہے اور وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا و بےنظیر ہے اور اپنے افعال میں لاشریک ہے۔توحید کے ماننے والے مسلمانوں نے اللہ پاک کو انہی صفات کے ساتھ جانا ہے اور اسی جاننے کو توحید کی یکتائی کہا ہے۔سید ہجویری نے توحید کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔پہلی یہ کہ حق تعالیٰ کی توحید اسی کے لئے یعنی خود حق تعالیٰ کا علم ہے کہ وہ اکیلا ہے۔دوسری حق تعالیٰ کی توحید، مخلوق کے لئے۔یعنی خدا کا حکم کہ بندے اس توحید کو تسلیم کر لیں اور خود اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دل میں توحید پیدا فرمائی۔تیسری مخلوق کی توحید، خدا کے لئے مخلوق کو جاننا کہ اللہ صرف ایک ہے۔

اثبات کی توحید کے ضمن میں کہتے ہیں کہ وہ نہ وصل کو قبول کرتا ہے اور نہ فصل

کو۔کوئی دوسرا نہیں ہے اور نہ ہی اس کی وحدانیت عددی ہے جو کسی عدو کے ثابت ہوجانے پر دو ہو جائے۔یا اس کی وحدانیت عدد بن جائے۔اور نہ ہی وہ محدود ہے کہ اس کے لئے جہات اور سمتوں کی تحقیق ہو اور نہ اس کے لئے مکان ہے اور نہ وہ کسی مکان میں ہے کہ اس کے لئے مکان کے اثبات کی ضرورت لاحق ہو۔اس لئے کہ اگر وہ مکان میں متمکن ہوتا تو مکان کے لئے بھی مکان کی ضرورت ہوتی۔ اس کی ذات وصفات ہر عیب ونقص سے پاک اور ہر آفت سے منزہ ہے۔وہ نہ کسی کے مانند ہے اور نہ کوئی اس کے مانند ہے، نہ اُسکے کوئی اولاد ہے اور نہ وہ خود کسی کی اولاد ہے اور نہ ہی اس کی ذات وصفات پر کسی قسم کا تغیر جائز ہے کہ اس کا وجود اس سے متغیر ہو۔

اللہ کی پاک ذات اُن صفات کمالیہ سے متصف ہے جن کا اثبات تمام اہل توحید مسلمان بحکم بصیرت کرتے ہیں کیونکہ اللہ نے ان سے اپنی صفات خود بیان فرمائی ہیں اور وہ ان صفات سے پاک ہے جن کو ملحدین اپنی خواہش سے متصف قرار دیتے ہیں کیونکہ خدا نے ان سے اپنی صفات خود بیان نہیں کیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے حی، علیم، رؤف، رحیم، مرید، قدیر، سمیع، بصیر، متکلم اور باقی ہے۔اس کا علم اس کا حال نہیں ہے اور اس کی قدرت، اس میں سختی نہیں ہے۔اس کی شنوائی وبصارت میں تجدّد یعنی بار بار پیدائش نہیں ہے اور اس کا

کلام ایسا ہے جس میں نہ بعضیت ہے نہ تجدید۔ وہ ہمیشہ اپنی صفات کے ساتھ قدیم ہے اور تمام معلومات اس کے علم سے باہر نہیں اور کسی موجود کو اس کے ارادہ سے مفر کی راہ نہیں وہ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے اور وہ وہی چاہتا ہے جو اس کی مشیت ہے۔ اس کا ہر حکم حق ہے۔ اس کے دوستوں کو سوائے تسلیم کے کوئی چارہ نہیں۔ ہر خیر و شر اس کا مقدر کیا ہوا ہے اس کے سوا کسی سے امید و خوف رکھنا غلط ہے اس کے سوا کوئی نفع و نقصان کا پیدا کرنے والا نہیں۔ اس کا ہر حکم حکمت پر مبنی ہے۔ جس کا پورا ہونا ضروری ہے۔ ہر ایک کو صرف اسی سے وصل اور اسی تک رسائی چاہئے۔

سید داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شروع میں ہی توحید لفظ کی وضاحت کر دی ہے۔ یعنی کسی چیز کی وحدانیت پر حکم کرنا۔ اور ایسے حکم علم کے سوا نہیں کئے جا سکتے لہٰذا اہل سنت و جماعت تحقیق کے ساتھ وحدانیت کا حکم دیتے ہیں وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی لطیف صفتوں، عجیب و بدیع فعلوں اور بکثرت لطائف کو نہ صرف دیکھا ہے بلکہ اس پر غور و فکر بھی کیا ہے یہ خدا کی ہی واحد ذات ہے جس نے اس جہان، زمین و آسمان، چاند اور سورج، خشکی و تری اور پہاڑ و صحراء کو وجود بخشا اور اسی نے ان سب کو حرکت و سکون، علم و نطق اور موت و حیات کے ساتھ پیدا فرمایا۔

حجاب ایمان: تیسرا کشف حجاب ایمان کے بارے میں ہے۔ حضور اکرمؐ کا

ارشاد ہے:الایمان ان تومن باللہ و ملائکتہ (ایمان یہ ہے کہ تم اللہ،اس کے فرشتے اوراس کی کتابوں پر ایمان لاؤ)۔

ایمان کے لغوی معنیٰ تصدیق یعنی دل سے ماننے کے ہیں اور شریعت میں اثبات ایمان کے لئے بکثرت احکام واقوال اور باہم اختلاف مذکور ہے۔

تمام صوفیاے کرام کے نزدیک ایمان کی دو قسمیں ہیں چنانچہ اہل یقین کی ایک جماعت کا اعتقاد ہے کہ قول وعمل اور تصدیق کے مجموعہ کا نام ایمان ہے جبکہ ایک دوسرے گروہ کے اعتقاد کے مطابق قول اور تصدیق کا نام ایمان ہے۔لیکن درحقیقت یہ اختلاف لفظی ہے ورنہ معنی ومقصود میں سب ایک ہیں۔

البتہ یہ بات واضح ہے کہ اہل سنت و جماعت اور ارباب تحقیق ومعرفت کے درمیان اس بات پر اتفاق ہے کہ ایمان میں اصل بھی ہے اور فرع بھی اصل ایمان تصدیق قلبی ہے اوراس کی فرع اوامر ونواہی کی بجا آوری ہے۔لہذا ابلا اختلاف امت، از روئے تحقیق وحقیقت، ایمان معرفت ہے۔اوراس کا اقرار عمل کو بجا لانا ہے۔

ایمان کی علامتوں میں یہ ہے کہ بندہ دل سے توحید کا اعتقاد رکھے، آنکھوں کو برائیوں سے بچائے، اللہ کی نشانیوں اور آیتوں سے عبرت لے، کانوں سے کلام الٰہی کی سماعت کرے، کھانے پینے میں حرام چیزوں سے گریز کرے۔ ہمیشہ سچ

بولنے کی کوشش کرے۔ اپنے آپ کو برائیوں سے محفوظ رکھے یہ تمام ایمان کی علامات ہیں لہذا تمام اہل ایمان کو اس پر اتفاق کرنا چاہیئے ۔ کہتے ہیں کہ جب کسی عارف کے دل میں معرفت کی حقیقت غالب ہوکر داخل ہوتی ہے تو تمام شک و شبہات اور انکار کی طاقت کو فنا کر دیتی ہے۔ اور اللہ تعالی اس کے حواس و خواہشات کو اپنا گرویدہ بنالیتا ہے۔ تاکہ وہ جو کچھ کرے، دیکھے اور کہے سب اُسی پاک پروردگار کا فرمان ہو۔ حضرت محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الایمان تصدیق القلب بما علم به الغیوب

ایمان یہ ہے کہ جو غیب سے اس کے دل پر انکشاف ہو اس پر یقین رکھے۔

لہذا ایمان غیب سے وابستہ ہے۔ ظاہری آنکھوں سے پوشیدہ اور جب تک معنی میں تقویت نہ ہو بندہ کا یقین ظاہر نہیں ہوسکتا اور یہ اللہ کے حکم سے ہی ہوتا ہے۔ جب عارفوں کا تعارف کرانے والا اور عالموں کو معلوم کرانے والا اللہ ہی ہے اور وہی ان کے دلوں میں معرفت و علم پیدا کرتا ہے تو علم و معرفت کا اختیار بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ جو معرفت الٰہی پر یقین رکھتا ہے وہ مومن ہے اور اللہ تعالی کے ساتھ واصل ہے۔

نجاست سے پاکی: چوتھا کشف نجاست سے پاکی کے بیان میں ہے۔ ایمان کے بعد سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ انسان اپنی پاکی کا خیال رکھے کیونکہ

اگر طہارت نہیں ہے تو نماز کی ادائیگی بھی ناممکن ہے۔ بدنی طہارت یہ ہے کہ تمام جسم کو نجاست و جنابت سے پاک کرے اور شریعت کے مطابق اپنے جسم کے تین حصوں کو دھو کر چوتھائی سر کا مسح کرے اگر پانی میسر نہ ہو تو پاک مٹی سے تیمّم کرے۔

طہارت کی دو قسمیں ہیں ایک ظاہری اور دوسری باطنی۔ ظاہری طہارت کے بغیر نماز درست نہیں اور باطنی طہارت کے بغیر معرفت درست نہیں ہے۔ بدنی طہارت کے لئے پاک پانی کی ضرورت ہے جبکہ دل کی طہارت کے لئے خالص توحید کی جو کہ مخلوط اور پراگندہ اعتقاد پر مشتمل نہ ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنی دعاؤں میں کہتے:

اللھم طھر قلبی من النفاق

اے اللہ میرے دل کو باطنی آلودگیوں سے پاک رکھ۔

لہذا مناسب یہی ہے کہ ظاہری طہارت باطنی طہارت کے موافق ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جب ہاتھ دھوئے جائیں تو چاہیے کہ دل سے دنیا کی محبت دھو لی جائے۔ اسی طرح باطن سے بھی غیر خدا کی محبت کو دور کر دیا جائے۔ جب منہ میں پانی لیا جائے تو مناسب ہے کہ منہ کو غیر کی یاد سے پاک کرے۔ جب ناک میں پانی ڈالے تو سزاوار ہے کہ شہوتوں کو خود پر حرام قرار دیدے۔ جب چہرہ دھوئے تو

مناسب ہے کہ تمام الفتوں سے یکدم کنارہ کش ہو جائے اور حق کی طرف متوجہ ہو جائے اور جب بانہوں کو دھوئے تو اپنے نصیبوں سے دست کش ہو جائے۔ اور جب سر کا مسح کرلے تو مناسب ہے کہ اپنے معاملات کو حق تعالی کے سپرد کردے جب پاؤں دھوئے تو لازم ہے کہ اللہ کے حکم کے خلاف ہر چیز پر قائم رہنے سے بچنے کی نیت کرلے جب اس پر عمل پیرا رہے گا تو اسے ہر قسم کی طہارت حاصل ہوگی۔ اس وجہ سے کہ تمام ظاہری شرعی امور باطن کے ساتھ ہوتے ہیں اور یہی ایمان کی خاصیت ہے کہ ظاہر میں زبان سے اقرار ہو تو باطن میں اس کی تصدیق بھی کیونکہ نیت کا تعلق دل سے ہے۔ شریعت میں طاعت کے احکام جسم ظاہر پر ہیں مگر دل کی طہارت کا طریقہ دنیا کی آفات میں غور وفکر کرنا ہے اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ یہ دنیا ایک فانی جگہ ہے۔ دل کو اس سے خالی کرے اور یہ کیفیت کثرت مجاہدے کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اور مجاہدے میں اہم ترین بات ظاہری آداب کی حفاظت اور ہر حال میں اس پر مداومت ہے۔

اسی سلسلہ کا ایک ذیلی عنوان ''توبہ'' سے متعلق ہے۔ کہتے ہیں کہ جس طرح طالبان عبادت کے لئے پہلا درجہ طہارت ہے اسی طرح سالکان راہ حق کا پہلا مقام توبہ ہے۔ لغت میں توبہ کے معنی رجوع کرنے کے ہیں۔ یعنی اللہ تعالی سے رجوع کرے اور اس کی ممنوعات سے باز رہے۔ حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ

"الندمت التوبة" یعنی ندامت وشرمندگی کا نام ہی توبہ ہے، اور یہ ایسا ارشاد ہے کہ جس میں توبہ کی چند شرائط بھی پنہاں ہیں جیسے کہ مخالفت پر اظہار ندامت و افسوس کرے، ترک حالت میں ذلّت محسوس کرے اور دوبارہ گناہ نہ کرے۔ اور یہ تمام باتیں لفظ ''ندامت'' میں موجود ہیں کیونکہ جب دل میں ندامت پیدا ہوتی ہے تو پہلی دونوں شرطیں اور تیسری شرط ان کے ضمن میں پائی جاتی ہے۔

توبہ کی شرائط کی طرح ندامت کے بھی تین سبب ہیں جن میں پہلا یہ کہ جب دل پر سزا کا خوف غلبہ پاتا ہے تب وہ برے افعال پر دل آزردہ ہوتا ہے اور ندامت پیدا ہوتی ہے۔ دوسرا سبب یہ کہ جب نعمت کی خواہش اس کے دل پر غالب ہوجائے اور وہ جان لے کہ برے فعل اور نافرمانی سے وہ حاصل نہیں ہوسکتی تو وہ اس سے پشیمان ہوجاتا ہے اور تیسرا یہ ہے کہ اس کے دل میں اللہ کی شرم وحیا آجاتی ہے اور وہ مخالفت پر پشیمان ہوتا ہے۔ لہذا پہلے کو تائب، دوسرے کو منیب اور تیسرے کو اوّاب کہتے ہیں۔

اسی طرح توبہ کے بھی تین مقام ہیں ایک توبہ دوسری انابت اور تیسری اوّابیت۔ لہذا توبہ عذاب کے ڈر سے، انابت حصول ثواب کے لئے اور اوّابیت، فرمان کی رعایت سے ہے اور یہی وجہ ہے کہ توبہ عام مسلمانوں کا مقام ہے جو گناہ کبیرہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کی اصل اللہ تعالیٰ کا آگاہ اور خبردار کرنا اور خواب

غفلت سے دلوں کو بیدار کرنا نیز اپنے حال کی غیبت کو دیکھنا ہے۔ جب بندہ اپنے برے افعال اور قبیح افعال میں غور وفکر کرتا ہے اور اس سے نجات کی کوشش کرتا ہے تو اللہ اس پر توبہ کے اسباب آسان فرما دیتا ہے اور اس کو اس کی معصیت کی برائی سے نکال کر اپنی طاعت کی شیرینی میں پہنچا دیتا ہے۔

توبہ کی تین قسمیں ہیں ایک خطا سے راہ ثواب کی طرف، دوسرے درستگی سے مزید درستگی کی طرف، تیسرے اپنی خودی سے حق تعالی کی طرف۔ یہ بات واضح ہے کہ جب بندہ عہد کرے کہ آئندہ گناہ نہ کرے گا تو اس کی توبہ کے لئے تائید ربانی شرط نہیں ہے اگر تائب پر پھر ایسا وقت آ جائے کہ عہد کے باوجود گناہ سرزد ہو تو دوبارہ توبہ کرنا اسکی درستگی کے حکم میں ہوگا۔ طریقت کے مبتدیوں اور تائبوں سے ایسا ہوا ہے کہ توبہ کر لی ہے پھر فساد لاحق ہوا اور گناہ کا ارتکاب ہوگیا۔ پھر جب خبردار ہوئے تو اس سے دوبارہ توبہ کی۔ یہاں تک کہ ایک بزرگ کا بیان ہے کہ میں نے ستر (۷۰) بار توبہ کی ہے اور ہر توبہ کے بعد برابر معصیت کا صدور ہوتا رہا ہے۔ اکہتر (۷۱) ویں مرتبہ توبہ کے بعد استقامت میسر آئی۔

نماز کا بیان: کتاب کا پانچواں کشف نماز کے بیان میں ہے۔ باعتبار لغت نماز کے معنی ذکر وانقیاد کے ہیں۔ اور فقہا کے عرف واصطلاح میں، مقررہ احکام کے تحت مخصوص قسم کی عبادت ہے۔ جو پانچ مختلف اوقات میں ادا کی جاتی ہے۔

نماز کی فرضیت کے ساتھ ساتھ اس کے صحیح وقت کا ہونا بھی شرط ہے۔ دیگر شرائط میں ایک شرط طہارت ہے جو ظاہری طور پر ناپاکی سے اور باطنی طور پر شہوت سے پاک ہونا ہے۔ دوسری شرط لباس کی پاکی ہے۔یعنی ظاہری طور پر نجاست سے اور باطنی طور پر اس طرح کہ وہ حلال کمائی سے ہو۔ تیسری شرط جگہ کا پاک ہونا ہے جو کہ ظاہری طور پر حوادث و آفت سے اور باطنی طور پر فساد و معصیت سے، چوتھی شرط استقبال قبلہ ہے، ظاہر طور پر خانہ کعبہ کی سمت اور باطنی طور پر عرش معلیٰ اور اس کا باطن مشاہدۂ حق ہے۔ پانچویں شرط قیام ہے ظاہری طور پر کھڑے ہونے کی قدرت اور باطنی طور پر قربت الٰہی کے باغ میں قیام ہے۔ چھٹی شرط دخول وقت ہے جو ظاہری طور پر شرعی احکام کے مطابق اور باطنی طور پر حقیقت کے درجہ میں ہمیشہ قائم رہنا ہے۔ اور داخلی شرائط میں سے ایک شرط خلوص نیت کے ساتھ بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہونا ہے اور قیام ہیبت و فنا میں تکبیر کہنا، محل وصل میں کھڑا ہونا، ترتیل و عظمت کے ساتھ قرأت کرنا، خشوع و خضوع کے ساتھ رکوع کرنا، تذلل و عاجزی کے ساتھ سجدے کرنا۔ دلجمعی کے ساتھ تشہد پڑھنا اور فنائے صفات کے ساتھ سلام پھیرنا۔

اہل طریقت میں شریعت کے مطابق نماز ایسی عبادت ہے جس کی ابتدا و انتہا میں مریدین راہ حق پاتے ہیں اور ان کے مقامات کا کشف ہوتا ہے۔ چنانچہ

مریدوں کے لئے طہارت توبہ کا قائم مقام، پیروی کا تعلق قبلہ شناسی کا قائم مقام مجاہدۂ نفس پر قیام، قیام کا قائم مقام ذکر الٰہی کی مداومت، قرأت قرآن قائم مقام، تواضع، رکوع کا قائم مقام، معرفت نفس، سجود کا قائم مقام، مقام امن تشہد کا قائم مقام، دنیا سے علاحدگی، سلام کا قائم مقام اور نماز سے باہر آنا مقامات کی قید سے خلاصی کا قائم مقام ہے۔

زکوۃ: چھٹا کشف زکوۃ کے بارے میں ہے۔ زکوۃ کے لغوی معنی پاک ہونے اور بڑھنے کے ہیں۔ ایمان کے فرائض واحکامات کا جہاں کبھی ذکر آیا اس میں زکوۃ کو ایک اہم رکن کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے۔ دراصل نماز اور روزہ کی طرح مسلمانوں پر زکوۃ بھی فرض ہے۔ نماز اور روزہ جسمانی عبادتیں ہیں اور ہر مسلمان پر فرض ہیں۔ جبکہ زکوۃ مالی عبادت ہے اور صرف مالدار مسلمانوں پر فرض ہے زکوۃ ادا کرنے والوں اور زکوۃ کے علاوہ بھی اپنا مال اللہ تبارک وتعالی کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی بہت سی فضیلتیں قرآن پاک میں بیان کی گئی ہیں اور قرآن پاک میں متعدد جگہوں پر آیا ہے۔ ”و اقیموا الصلوۃ و اتوالزکوۃ“ یعنی نماز قائم کرو اور زکوۃ دو۔ مطلب یہ کہ جہاں کہیں بھی نماز کی تاکید کی گئی وہیں زکوۃ کا ذکر بھی موجود ہے جو لوگ زکوۃ کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں وہ اپنے لیے قیامت میں عذاب کا سامان کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔ ایک

حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جن لوگوں کو اللہ تعالی نے مال و دولت سے نوازا ہے اور
وہ اس کی زکوۃ ادا نہیں کرتے، قیامت کے دن ان کا یہ مال
ایک بہت زہریلے سانپ کی شکل میں نمودار ہوگا''

زکوۃ کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ اس سے تزکیہ حاصل ہوتا ہے مال کا بھی اور دل کا بھی اس کے معنی ہی بڑھنے اور پاک ہونے کے ہیں۔ زکوۃ ادا کرنے سے انسان کا بقیہ مال پاک ہوجاتا ہے۔ اس کی نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے، اس کے دل میں مال کی محبت کم ہوتی ہے اور اللہ سے محبت بڑھتی ہے۔ اللہ کی مرضی کے کام انجام دینے اور اس کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کردینے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس کے ذریعے غریبوں کی امداد ہوتی ہے۔ سماج میں بھائی چارہ، ایثار، ہمدردی اور غم گساری کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔ امیروں اور غریبوں کے درمیان خلیج کم ہوتی ہے اور باہمی تعاون بڑھتا ہے اسی وجہ سے اسلامی معاشیات کا بنیادی اصول اور اہم ترین وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس میں مال صرف مالداروں کے درمیان محصور ہوکر نہیں رہتا بلکہ وہ غریبوں تک بھی پہنچتا ہے اور اس کی گردش پورے سماج میں جاری رہتی ہے۔

زکوۃ کی فرضیت درج ذیل چیزوں پر ہے:

۱۔سونا، چاندی اوران کی مصنوعات، جیسے زیورات، برتن، سکّے وغیرہ۔

۲۔نقدرقم،خواہ کرنسی کی شکل میں ہو یا سٹیفکیٹ، بانڈ وغیرہ کی شکل میں۔

۳۔مال تجارت۔

۴۔تجارت کی غرض سے پالے گئے مویشی۔

۵۔زمین کی پیداوار، غلّہ ہو یا پھل، ترکاری وغیرہ۔اس پر عائد ہونے والی زکوٰۃ کواصطلاح میں عُشر کہتے ہیں۔

۶۔معدنیات۔

اسی طرح اصطلاح میں مال کی جس مقدار پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے اسے نصاب اور جس شخص کے پاس نصاب کے برابر مال ہو اسے صاحب نصاب کہا جاتا ہے۔سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ اور چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ ہے۔نقدرقم کا نصاب متعین کرنے کے لیے علماء نے چاندی کے نصاب کو معیار مانا ہے۔یعنی اگر کسی کے پاس اتنی رقم ہے جو ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہے تو اسے صاحب نصاب مانا جائے گا۔

مثال کے طور پر اگر کسی کے پاس کچھ سونا، کچھ چاندی اور کچھ نقدرقم ہے اور اگراس کی مجموعی مالیت چاندی کے نصاب کے برابر پہنچ جاتی ہے تو اسے صاحب نصاب مانا جائے گا اور زکوٰۃ بھی واجب ہوگی۔

سونا چاندی، نقد رقم اور مال تجارت کی زکوٰۃ میں چالیسواں حصہ یعنی ڈھائی فی صد نکالنا فرض ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص کے پاس چالیس ہزار روپیے ہیں اسے ان کی زکوٰۃ کے طور پر ایک ہزار روپیے نکالنے ہوں گے۔

وجوب زکوٰۃ کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ آدمی کے پاس جو مال ہے وہ اس کی بنیادی ضروریات سے زائد ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس کے مال پر ایک سال گزر گیا ہو، یعنی وہ اس کے مالک کے پاس ایک سال تک رہا ہو۔ اس سلسلے میں چند باتیں قابل ذکر ہیں۔ مثلاً اگر شروع سال میں اتنی رقم ہو جس پر زکوٰۃ واجب تھی لیکن سال پورا ہونے سے پہلے وہ ختم ہوگئی تو اس پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی۔ یا اگر سال کے شروع میں رقم زیادہ تھی بعد میں کم ہوگئی لیکن سال کے آخر ہونے تک پھر اتنی رقم ہوگئی جس پر زکوٰۃ کا وجوب ہو تو درمیان کے رقم کم ہونے سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی۔ سال کا آغاز اس وقت سے شمار کیا جائے گا جب سے مالک مال صاحب نصاب ہوا ہو۔

البتہ عورتیں زیب و زینت کے لیے سونے چاندی کے جو زیورات پہنتی ہیں ان پر زکوٰۃ کے سلسلہ میں علماء کا کچھ اختلاف ہے۔ اور یہ اختلاف صحابہ و تابعین کے زمانے میں بھی تھا۔ فقہائے اربعہ میں امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ استعمال کرنے والے زیورات میں زکوٰۃ کے وجوب کے قائل نہیں ہیں لیکن امام

ابوحنیفہؒ کے نزدیک زیورات پر زکوٰۃ نکالنی واجب ہے۔اس سلسلہ میں حدیث بھی ہے:

حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے آپؐ نے میرے ہاتھوں میں چاندی کے چھلّے دیکھے تو فرمایا: ''یہ کیا ہے عائشہ؟'' میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ میں نے انہیں آپ کے لئے زینت اختیار کرنے کے مقصد سے پہنا ہے۔آپؐ نے فرمایا کہ کیا ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ میں نے عرض کیا:''نہیں'' آپؐ نے فرمایا: جہنم کی آگ سے محفوظ رہنے کے لئے ان کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔(سنن ابوداؤد:۱۵۶۵)

چنانچہ یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ زیورات کی زکوٰۃ نکالنی واجب ہے کیونکہ قرآن پاک میں بھی اس بات پر بار بار اصرار کیا گیا ہے۔اور جو زیورات زکوٰۃ کے وجوب کے قابل ہیں اور روایات سے بھی تائید ہوجاتی ہے ان پر چاہئے کہ زکوٰۃ ادا کریں اور اللہ کی راہ میں خرچ کر کے اس کی رضامندی حاصل کریں۔خواہ یہ زیورات لاکر میں ہوں یا زیر استعمال ہوں۔

اسی طرح پروویڈنٹ فنڈ کی رقم، یا قرض کی رقم ہو یا پھر مکانوں اور پلاٹوں کی تجارت ہو ان سب پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔جیسا کہ پہلے بھی لکھا گیا ہے کہ زکوٰۃ کا وجوب نصاب زکوٰۃ پر ایک سال گزرنے کے بعد سے ہوتا ہے لیکن کوئی

شخص چاہےتو پورا سال گذرنے سے پہلے بھی زکوٰۃ ادا کرسکتا ہے۔اس کی ادائیگی کے لئے نیت کا ہونا بے حد ضروری ہے۔بغیر زکوٰۃ کی نیت کئے زکوٰۃ کی رقم ادا نہ ہوگی۔اس رقم کی ادائیگی کے لئے کسی بھی مہینہ کا انتخاب کیا جاسکتا ہے۔حضرت عثمانؓ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ماہ رمضان میں اپنی زکوٰۃ ادا کیا کرتے تھے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے پوری رقم کوفوراً ایک ساتھ خرچ کرنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ قسطوں میں بھی ادا کی جاسکتی ہے۔ یہ اعلانیہ اور پوشیدہ دونوں طریقوں سے دے سکتے ہیں۔ضروری نہیں کہ روپیہ کی شکل میں دیں بلکہ غلّہ یا کپڑے، کتابیں غرض کہ کسی بھی شکل میں دے سکتے ہیں۔زکوٰۃ دینے کے لئے عزیز رشتہ دار، دوست کسی کو بھی دیں لیکن شوہر اور بیوی ایکدوسرے کو نہیں دے سکتے ہیں اسی طرح ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اور آخری بات یہ کہ زکوٰۃ کی رقم مسجد کی تعمیر میں نہیں لگا سکتے۔

زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں کی زکوٰۃ کو عُشر کہتے ہیں۔اس میں غلّہ، پھل، میوے، ترکاریاں سبھی کچھ شامل ہیں جن سے ہم فائدہ اُٹھاتے ہیں۔اس کے لئے کوئی نصاب مقرر نہیں ہے۔ بلکہ جو کچھ پیدا ہو اس میں سے عُشر نکالنا

ہوگا۔ایک اندازے کے مطابق ۲۵من سے کم کی پیداوار پر عُشر نہیں ہے اور ایسی چیزوں پر بھی عُشر نہیں ہے جو ایک سال تک باقی نہ رہ سکتی ہوں۔کسی کھیت میں جتنی بار پیداوار ہوگی اتنی ہی بار عُشر بھی نکالنا ہوگا۔

زکوۃ کا ظاہری پہلو تو یہ ہے لیکن اسکی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی تمام نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے۔مثال کے طور پر اگر کسی کو گھر کی نعمت حاصل ہے تو وہ گھر کی زکوۃ ادا کرے یعنی مہمان کو ٹھہرانا اور مہمان نوازی کرنا۔اسی طرح تندرستی اور صحت ایک بڑی نعمت ہے لہذا ہر عضو کی زکوۃ بھی واجب ہے اور اسکی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے تمام اعضاء کو عبادت میں مشغول رکھے۔

روزہ: کتاب کا ساتواں کشف روزے سے متعلق ہے۔قرآن پاک میں بار بار روزے رکھنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ اے ایمان والوں تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔ بلکہ ایک جگہ تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ روزہ میرے لئے ہے اور اس کی جزا میں خود دوں گا۔کیوں کہ روزہ ایک ایسی باطنی عبادت ہے جس کا ظاہری امور سے کوئی تعلق نہیں مطلب یہ کہ اگر کسی نے روزہ رکھا ہے تو یہ صرف وہ ہی جانتا ہے کہ وہ روزے دار ہے یا نہیں اور اسی وجہ سے اس کی جزا بے حساب ہے۔ یہاں تک کہ روزے دار کے لئے اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ جنت میں اہل ایمان جائیں گے اور جو روزیدار ہوں گے وہ وہاں ہمیشہ کے لئے رہیں

گے۔

روزہ کی حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ مسلمان جو بالغ عاقل وتندرست ہے اس پر پورے ایک ماہ رمضان کے روزے فرض ہیں اس کی مدت رمضان کا چاند دیکھنے سے شوال کا چاند نکلنے تک یعنی پورے تیس دنوں کی ہے۔ ہر روزہ کے لئے صحیح نیت، درست ادائیگی اور سچائی واخلاص کا ہونا ضروری ہے۔

روزہ کا مطلب رکنے سے لئے جاتے ہیں اور رکے رہنے کے معنی بہت سی شرائط سے ہیں مثلاً معدے کو کھانے پینے سے روکنا، آنکھوں کو بری نظروں سے کان کو غیبت سننے سے، زبان کو بیہودہ گفتگو اور فتنہ انگیز باتیں کرنے سے، اور جسم کو دنیاوی ومخالفت الٰہی سے روکے رکھنا یہی اصل روزہ ہے بندہ جب ان تمام شرائط کا احترام کرے گا تبھی وہ حقیقت میں روزہ دار کہلانے کا مستحق ہوگا۔

حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ جب روزہ رکھے تو کان، آنکھ، زبان، ہاتھ اور جسم کے ہر عضو کا روزہ رکھے ورنہ وہ روزہ نہیں کہلائے گا سوائے اس کے کہ آپ بھوکے پیاسے رہیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ روزہ آدھی طریقت ہے۔ چنانچہ زیادہ تر مشائخ کے بارے میں سنا ہے کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور بعض ایسے تھے جو صرف ماہ رمضان کے روزے رکھتے تھے۔ ان کا یہ عمل اس وجہ سے تھا کہ رمضان کے روزے سے ثواب حاصل ہوتا اور دوسرے دنوں میں روزہ

رکھکر ریاکاری اور دیگر برائیوں سے محفوظ رہ سکیں۔ سید ہجویری فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایسے مشائخ کو بھی دیکھا ہے جنکو روزہ دار ہوتے ہوئے بھی کوئی نہ جانتا تھا کہ وہ روزے سے ہیں اگر کوئی کھانا سامنے لے آتا تو کھا بھی لیتے اور نفل روزہ کا افطار کر لیتے تاکہ ان کا روزہ دار ہونا لوگوں پر ظاہر نہ ہو سکے۔

احادیث میں ہے کہ حضور اکرمؐ ایام بیض یعنی چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخوں میں اور محرم کے دس دنوں میں روزہ رکھا کرتے۔ اسکے علاوہ ماہ شعبان و رمضان کے روزے بھی رکھتے۔

سید ہجویری نے روزے کے بیان میں ایک مسئلہ صوم وصال کا بھی بیان فرمایا ہے۔ صوم وصال کے معنی ہیں، مسلسل روزے رکھنا۔ اور اس کے بارے میں رسول اللہؐ سے ممانعت بھی مروی ہے۔ اور آپکی یہ ممانعت محض شفقت و مہربانی کی وجہ سے تھی، نہ کہ نہی و ممانعت یا حرام بنانے کی وجہ سے۔ کیونکہ آپ نے جب صوم وصال رکھا تو صحابہ کرام نے بھی آپ کی موافقت میں روزے رکھنے شروع کر دیئے اور تب آپؐ نے فرمایا کہ تم صوم وصال نہ رکھو کیونکہ میں تم میں سے کسی کی مانند نہیں ہوں۔ میں تمہارے رب کے حضور میں رات گزارتا ہوں اور وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے چنانچہ ایک بڑی جماعت کا خیال ہے کہ صوم وصال خلاف سنت ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ صوم وصال بذات خود ناممکن و محال ہے اس سلسلہ

میں سید ہجویری حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انکے بارے میں منقول ہے کہ وہ ہر پندرہ دن کے بعد ایک مرتبہ کھانا کھاتے اور جب رمضان کا مہینہ آتا تو پھر عید تک کچھ نہ کھاتے اور اس کے باوجود روزانہ رات میں چار سو رکعات نمازیں پڑھا کرتے، دیکھا جائے تو اس قسم کا عمل انسان کی امکانی طاقت سے باہر ہے۔ بجز مشرب الٰہی کے ایسا ہو ہی نہیں سکتا اللہ کی تائید اگر حاصل ہو تو وہی تائید الٰہی اس بندہ کی غذا بن جاتی ہے۔ جبکہ عام لوگوں کے لئے دنیاوی نعمت ہی اصل غذا ہوتی ہے۔

اسی طرح حضرت شیخ ابونصر سراج جن کو ''طاؤس الفقراء'' اور ''صاحب لمع'' کہا جاتا ہے انکے بارے میں بھی یہ روایت ہے کہ وہ ماہ رمضان میں کچھ نہ کھاتے۔ حضرت ابراہیم ادہمؒ کی بابت بھی مروی ہے کہ وہ رمضان کے مہینہ میں اول سے آخر تک کچھ نہ کھاتے۔ کھیتوں میں مزدوری کرتے اور جو مزدوری حاصل ہوتی اسے غرباء میں تقسیم کر دیا کرتے۔ راتوں کو عبادت کیا کرتے نہ کھاتے پیتے اور نہ ہی سوتے تھے۔ اسی طرح ایک اور شیخ حضرت ابوعبداللہ خفیفؒ کے بارے میں منقول ہے کہ جب وہ دنیا سے گئے تو انہوں نے مسلسل چالیس چلّے کاٹے تھے۔

روزے کے بیان میں چلہ اور فاقہ کشی کے بارے میں بھی وضاحت ملتی ہے

بعض مشائخ کے نزدیک فاقہ کم سے کم دو دن اور دو راتوں کا ہونا چاہیئے اور بعض کے نزدیک تین رات اور دن اور بعض کے نزدیک ایک ہفتہ اور بعض کے نزدیک ایک چلّہ کا ہوتا ہے۔اس وجہ سے کہ محققین کے نزدیک سچی بھوک چالیس دنوں کے بعد ہی ایک مرتبہ محسوس ہوتی ہے جو کہ زندگی کے لئے ضروری بھی ہے۔اس کے علاوہ اگر باقی کچھ اور ہے تو وہ طبیعت کا شر اور نفس کی بیقراری ہے اور اللہ تعالی ایسے شر سے محفوظ رکھے۔

حج: روزے کے بعد کتاب کا آٹھواں کشف حج کے بیانات سے متعلق ہے۔یہ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے پانچواں رکن ہے۔

اللہ تعالی نے اپنے بندوں پر بیت اللہ کا حج فرض کیا ہے بشرطیکہ جو لوگ وہاں تک پہونچنے کی استطاعت رکھتے ہوں۔حج کے ارکان میں میقات سے احرام باندھنا، عرفات میں ٹھہرنا، اور خانہ کعبہ کی زیارت وطواف اور صفا ومروہ کی سعی وغیرہ ہے۔حرم شریف میں داخل ہونے کے لئے بندوں کا احرام باندھنا ضروری ہے اور وہ محرم ہوں یعنی ان چیزوں کو اپنے اوپر حرام کئے ہوئے ہوں جن کو شریعت میں منع کیا گیا ہے۔دو کپڑوں کا سادہ لباس پہنے، دنیا سے منھ موڑ کر میدان عرفات میں حاضر ہوں، وہاں سے مزدلفہ، مشعر الحرام جائیں پھر وہاں سے کنکریاں چنیں اور واپس مکہ معظّمہ پہنچ کر طواف کریں اس کے بعد منیٰ آ کر تین روز قیام کر کے

جمرات پر کنکریاں ماریں، وہاں پر سر منڈا کر، قربانی دیکر پھر اپنے دوسرے لباس تبدیل کر سکتے ہیں۔ یہ تمام ارکان ماہ ذی الحجہ کے دوسرے ہفتہ سے شروع کئے جاتے ہیں سید ہجویری فرماتے ہیں:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو مقام ہیں ایک مقام آپ کے جسم اقدس کا اور دوسرا مقام آپکے قلب انور کا جسم کا مقام مکہ مکرمہ ہے اور دل کا مقام خلّت ہے۔ جب بندہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کے مقام، خلّت و دوستی کا ارادہ کرے تو اس پر لازم ہے کہ وہ تمام لذتوں اور رغبتوں سے منہ موڑ کر تمام راحتوں کو چھوڑ دے۔ اغیار کے ذکر سے کنارہ کش ہو جائے، پھر معرفت کے عرفات میں ٹھہرے اور وہاں سے محبت کے مزدلفہ میں آئے وہاں سے حق سبحانہ کے حرم کے طواف کے لئے سر کو بھیجے اور حرص و خواہش اور دل کے فاسد ارادوں سنگریزوں کو اس امن و سلامتی کی منیٰ میں پھینکے اور نفس کو مجاہدے کے مقام اور اس کی تسخیر گاہ میں قربان کرے تا کہ مقام خلّت حاصل ہو۔ لہذا مکہ مکرمہ میں داخل ہونا گویا دشمن اور اس کی تلوار کی زد

سے جائے امن و امان میں آ جانا ہے اور اس مقام خلت
میں داخل ہونا گویا قطعیت اور اس کے متعلقات سے
مامون و محفوظ رہنا ہے''۔۳۶

صحبت: نواں کشف حجاب صحبت اور اس کے آداب اور احکام کے بیان میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ حسن ادب ایمان کا حصہ ہے۔ یوں بھی تمام انسان خواہ وہ کسی بھی مذہب وملت سے تعلق رکھتے ہوں، سب کا اس بات پر اتفاق ملتا ہے کہ حسن ادب عمدہ چیز ہے۔

ادب کی تین قسمیں بیان کی ہیں پہلی قسم وہ ہے جو اللہ تعالی کے ساتھ بندہ ملحوظ رکھتا ہے۔ یعنی جب بھی بندہ خدا کی بارگاہ میں حاضر ہو تو اس طرح سلوک رکھے جیسے کسی بادشاہ کے حضور میں کیا جاتا ہے یعنی اپنے کسی بھی فعل وعمل سے بے حرمتی نہ ہونے دے۔ اس سلسلہ میں چند بیانات صوفیہ و مشائخ سے متعلق درج ہیں مثال کے طور پر حضرت حارث محاسبیؒ چالیس سال تک دن رات کے کسی حصہ میں بھی دیوار سے ٹیک لگا کر نہیں بیٹھے۔ سید داتا گنج بخش نے کسی ملند نامی خراسانی شخص کا ذکر کیا ہے کہ اس نے بیس سال قدموں پر کھڑے رہکر گزار دیئے سوائے نماز میں تشہد کے کبھی نہ بیٹھے۔ اسی طرح حضرت بایزید بسطامیؒ سے کسی نے دریافت فرمایا کہ آپ نے جو کچھ پایا ہے وہ کس چیز کی بدولت پایا ہے۔ انہوں نے

---

۳۶ کشف ص، ۴۷۱

فرمایا ''اللہ تعالی کے ساتھ حسن صحبت کی وجہ سے''۔یعنی انہوں نے اللہ تعالی کے ساتھ ادب واحترام وحسن صحبت جتنا جلوت میں ملحوظ رکھا اتنا ہی خلوت میں بھی۔

حفظ ادب واحترام سے متعلق سید ہجویری ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ آپ ؐکو جب شب معراج میں لے جایا گیا تو آپ ؐ نے حفظ ادب میں کونین کی طرف نظر نہیں اٹھائی یہاں تک کہ اللہ تعالی نے فرمایا:''مازاغ البصر و ماطغیٰ'' (نہ آنکھ جھپکی اور نہ بے راہ ہوئی) یعنی دنیا کی طرف نظر کرنے میں نہ آنکھ بھٹکی اور نہ آخرت کے دیکھنے میں آنکھ بے راہ ہوئی۔

دوسری قسم ادب کی معاملات سے متعلق ہے یعنی آپ کسی بھی حال میں ہوں مروت کا لحاظ ہمیشہ رکھیئے۔لوگوں کے ساتھ بول چال ودیگر معاملات ہوں یا اللہ تعالی کی بارگاہ میں حاضری کا وقت ہو یعنی خواہ خلوت خواہ جلوت کسی بھی حال میں بے ادبی اور بدتہذیبی کا مظاہرہ نہ ہو۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہمیشہ سچ بولنے کی کوشش کرے سچ کے سوا کوئی بات نہ کرے۔جو بات دل کو صحیح نہ معلوم ہو اسے زبان پر لانا یوں بھی مناسب نہیں ہے۔دوسری صورت یہ ہے کہ کم کھائے،حیادار رہے۔زیادہ وقت عبادت وریاضت میں صرف کرے فضول باتوں اور خرچوں سے گریز کرے۔

ادب کی تیسری قسم لوگوں کے ساتھ صحبت کرنے میں ادب کا لحاظ رکھنا ہے اور

صحبت کے آداب میں بہترین ادب یہ ہے کہ سفر وحضر ہر جگہ حسن معاملہ اور سنّت کی حفاظت کرے چنانچہ ہم دیکھیں اور غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ادب کی یہ تینوں قسمیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں۔ حضور اکرمؐ نے ایک جگہ فرمایا:

''حسن رعایت اور حفظ مراتب کے سلسلہ میں مسلمان بھائیوں کی محبت کو تین چیزیں پاکیزہ بناتی ہیں ایک یہ کہ جب کسی سے ملاقات کرو تو اسے سلام کرو دوسرے یہ کہ اپنی مجلسوں میں اس کے لئے جگہ بناؤ۔ تیسرے یہ کہ اسے اچھے القاب سے یاد کرو''۔ ۳۷

آداب صحبت کے بعد ان کی شرائط پر بھی ایک نگاہ ڈال لیں۔ اس سلسلہ میں حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوالقاسم گرگانیؒ سے دریافت کیا کہ صحبت کی کیا کیا شرائط ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ صحبت میں اپنی خوشی نہ چاہے بلکہ اپنے مصاحب کی خوشیوں کا خیال کرے۔ چنانچہ اس ضمن میں اور بھی امور ہیں مثلاً ہر ایک کو اس کے مقام کے مطابق پہچانے، بڑے بوڑھوں کا ادب کرے، جو ہم جنس ہیں انکے ساتھ عمدہ سلوک رکھے۔ بچوں کے ساتھ شفقت و محبت کا برتاؤ کرے۔ بوڑھوں کو اپنے والدین کے مانند سمجھے۔ اور جو ہم عمر ہیں وہ بھائیوں کی مانند اسی طرح بچوں کو اولاد کی طرح۔ کینہ حسد اور عداوت و دشمنی سے گریز کرے۔ دوسروں کی نصیحت کا خیال کرے دراصل ادب کے معنی ہی نیک اعمال پر قائم

---

۳۷ ص ۴۸۷

رہنے کے ہیں لہذا یہ تمام باتیں ہر ایک کوملحوظ خاطر رکھنی چاہئیں۔اس کے علاوہ دوسرے معاملات جیسے کھانے، پینے، سونے جاگنے، چلنے پھرنے، سفر وحضر، سکوت وکلام، کے آداب نیز معاشرتی و ذاتی زندگی کے یعنی نکاح یا مجرّد رہنے وآل واولاد کے ضمن میں تمام آداب کا لحاظ ہر فرد کے لئے نہایت ہی اہم ہے۔

کلام مشائخ: کتاب کا دسواں کشف حجاب مشائخ کے کلام اوران کے الفاظ و معانی کے حقائق کے بیان میں ہے۔دراصل صوفیہ ومشائخ جب عوام اور خواص سے ہم کلام ہوتے ہیں تو انکی گفتگو میں کچھ خاص اصطلاحات ہوتی ہیں کچھ اشارات اورکلمات ہوتے ہیں جنہیں سمجھنا ہر ایک کے بس میں نہیں۔ یہ کلمات و اصطلاحات ایجاد کرنے کے پیچھے ایک ہی مقصد کارفرما ہوتا ہے۔اور وہ یہ کہ سننے والے کے لئے بات کوآسان فہم بنایا جاسکے۔مشکلات کوکم کیا جائے تا کہ بات سامعین ومریدین کے فہم سے قریب تر ہوسکے ساتھ ہی وہ اسرار جنہیں عوام سے پوشیدہ رکھنا مقصود ہو وہ بھی ظاہر نہ ہوں۔ مثلاً فقہاء کی چند وضع کردہ مخصوص اصطلاحیں جیسے علّت ،معلول، قیاس، اجتہاد، رفع اورالزام وغیرہ ہیں، محدثین کی بھی مخصوص اصطلاحیں ہیں مثلاً مسند، مرسل، احاد، متواتر، جرح وتعدیل، اسی طرح متکلمین کی جوہر،کل، جزو،جسم،حدث، جبر، حیزاور ہیولیٰ وغیرہ۔

اسی طرح اہل طریقت کی بھی چند اصطلاحات ہیں مثال کے طور پر حال،

وقت وغیرہ۔ظاہراً یہ ہم معنی معلوم ہوتے ہیں مگر باطن میں یہ الگ الگ کیفیات ہیں ''وقت'' اس کیفیت کو کہتے ہیں جب بندہ اپنے ماضی و مستقبل سے بے خبر ہوکر صرف اللہ تعالیٰ سے رجوع کرلے اور ایسے میں جو واردات اس پر طاری ہوں ان کے اسرار کو دل میں پوشیدہ رکھے جیسے کہ کشف اور مجاہدہ میں ہوتا ہے۔اس وقت اس کے دل میں نہ تو پہلے کی کوئی یاد رہے اور نہ آئندہ کی کوئی فکر۔اسی طرح ایک دوسری کیفیت ''حال'' کہلاتی ہے۔''حال'' وقت پر آنے والی ایک ایسی چیز ہے جو وقت کو مزیّن کر دیتی ہے جس طرح روح سے جسم مزیّن ہوتا ہے۔اس طرح وقت لامحالہ، حال کا محتاج ہے کیونکہ وقت کی پاکیزگی حال سے ہوتی ہے اور اس کا قیام بھی اسی سے ہوتا ہے۔لہذا صاحب وقت جب صاحب حال ہوتا ہے تو اس سے تغیر جاتا رہتا ہے اور وہ اپنے احوال میں مستحکم ہو جاتا ہے۔کیونکہ بغیر حال کے وقت کا زوال ممکن نہیں۔اور جب اس سے حال مل جاتا ہے تو اس کے تمام احوال وقت بن جاتے ہیں۔ان کے لئے وقت کا نزول تھا چونکہ متمکن کے لئے غفلت جائز تھی۔اور صاحب غفلت پر اب حال کی کیفیت ہے مشائخ طریقت کا بیان ہے کہ صاحب حال کی زبان اپنے حال کے بیان کرنے سے ساکت رہتی ہے اور اس کا معاملہ اس کے حال کے تحقق و اثبات میں گویا ہوتا ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ حال کے بارے میں پوچھنا محال ہے اس لئے

کہ حال کی تعبیر ناممکن ہے۔ حال ہوتا ہی وہ ہے جہاں حال فنا ہوجائے۔ اسی طرح ایک دوسری اصطلاح مقام وتمکین ہے۔ مقام وتمکین میں بھی بظاہر معمولی سا فرق نظر آتا ہے لیکن یہ دونوں الگ الگ اصطلاحات ہیں۔ طالب کا صدق نیت اور ریاضت ومجاہدے کے ساتھ حق تعالی کے حقوق کو ادا کرنے پر قائم رہنے کا نام ''مقام'' ہے۔ ہر ارادۂ حق والے کا ایک مقام ہوتا ہے جو بوقت طلب، بارگاہ حق سے ابتداء میں اس کے حصول کا موجب بنتا ہے۔ جب بھی طالب کسی مقام پر قائم ہوگا، وہ اس کے واردات کا ''مقام'' ہے جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا مقام ''توبہ'' حضرت نوح علیہ السلام کا مقام ''زہد'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تسلیم و رضا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انابت، حضرت داؤد علیہ السلام کا حزن و ملال، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا امید و رجا، حضرت یحییٰ علیہ السلام کا خوف وخشیت اور ہمارے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ذکر تھا۔

مقام کے ساتھ ہی ایک درجۂ تمکین کا کہلاتا ہے۔ ''تمکین'' دراصل محققین کا درجۂ کمال کے اعلیٰ منزل میں ٹھہرنا، قیام کرنا ہی تمکین کہلاتا ہے اسطرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ مقام اگر مبتدیوں کا درجہ ہے تو تمکین منتہیوں کی اقامت گاہ ہے۔ یعنی ابتدا سے انتہا کی طرف جایا جاسکتا ہے لیکن انتہا سے مزید آگے جانے کی کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ مقامات منزلوں کی راہیں ہیں اور تمکین خدائے برتر کی بارگاہ میں

برقرار رہنا ہے۔ایک بزرگ کا قول ہے کہ تغیر وتبدل ختم ہوجانے کا نام ہی تمکین ہے۔

اسی طرح کا ایک اور لفظ ''تلوین'' بھی ہے۔تلوین بھی حال اور مقام کی مانند اہل طریقت کی اصطلاح میں ایک لفظ ہے۔اور معنی بھی ملتے جلتے ہیں تلوین کے معنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف بدلنے کے ہیں۔لیکن تمکین یعنی جو متمکن ہے وہ متردد نہیں ہوتا۔اس کیفیت کو ہم اسطرح سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب طور پر تھے تو مقام تلوین میں تھے۔اور جب جلوۂ حق نے تجلی فرمائی تو ان کے ہوش جاتے رہے۔اور وہ بیہوش ہوکر زمین پر جاگرے۔لیکن پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت محل تمکین میں تھے جب مکہ معظّمہ سے قاب قوسین تک عین تجلی میں رہے تو آپ کی کیفیت یکساں رہی اور کسی دوسرے حال کی طرف متغیر نہ ہوئے۔محل تمکین کی دوقسمیں ہیں ایک کی نسبت شہود حق کے ساتھ ہے اور دوسرے کی نسبت اپنے شہود کے ساتھ۔اسی طرح کی کئی اور اصطلاحات ہیں جیسے محاضرہ ومکاشفہ،قبض وبسط،اُنس وہیبت،قہر ولطف،نفی و اثبات،مسامرہ ومحادثہ،علم الیقین،عین الیقین،حق الیقین،علم ومعرفت،شریعت و حقیقت وغیرہ ان پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔محاضرہ ومکاشفہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ محاضرہ کا استعمال،حضور قلب پر بیان لطائف میں ہوتا ہے اور لفظ مکاشفہ کا

استعمال، حضور تحریر پر جو دل میں خطرہ عیاں ہو اس وقت ہوتا ہے۔ گویا آیات کے شواہد کو محاضرہ اور مشاہدات کے شواہد کو مکاشفہ کہتے ہیں اور محاضرہ کی علامت، آیات کی دید میں ہمیشہ فکر مند رہنا ہے اور مکاشفہ کی علامت، عظمت کی تہہ میں ہمیشہ حیرت زدہ رہنا ہے۔ جو افعال میں فکر مند ہو اور جو جلال میں حیرت زدہ ہو۔ ان میں فرق یہ بھی ہے کہ ایک خلت کے ہم معنیٰ ہوتا ہے اور دوسرا محبت کے قریب۔

دوسری اصطلاح قبض وبسط کی ہے۔ قبض وبسط احوال کی دو حالتوں کا نام ہے جو بندے کی طاقت سے باہر ہیں۔ وہ نہ اس کے آنے پر قادر ہے اور نہ اس کے جانے پر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قبض وبسط میرے ہی قبضہ واختیار میں ہے۔ قبض اس حال کا نام ہے جو بحالت حجاب دل پر چھا جائے اور بسط اس کیفیت کا نام ہے جس کو دل پر چھائے ہوئے حجاب کا ارتفاع کہتے ہیں۔ یہ دونوں حق ہیں ان میں بندے کا اختیار نہیں ہے۔ عارفوں کے احوال میں قبض ایسا ہے جیسے کہ مریدوں کے احوال میں خوف اور اہل معرفت کے احوال میں بسط ایسا ہے جیسے مریدوں کے احوال میں رجا یعنی امید۔ مشائخ طریقت کی ایک جماعت قبض کا مرتبہ بسط سے بلند بتاتی ہے، کیونکہ قرآن کریم میں قبض کا ذکر بسط سے پہلے آیا ہے۔ نیز مشائخ طریقت فرماتے ہیں کہ بسط میں سرور ہے اور قبض میں تکلیف اور عارفوں کا

سرور، وصل معرفت کے بغیر نہیں ہوتا۔اور اپنی تکلیف، فصل کے بغیر دیکھتے نہیں، لہذا وصل میں وقوف، فراق کے وقوف سے بہتر ہے۔سید ہجویری کا کہنا ہے کہ ان کے شیخ کے مطابق قبض و بسط دونوں معنیٰ ایک ہی ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں اللہ کی طرف سے بندے کے شامل حال ہوتے ہیں۔ کیونکہ جب ان کے معانی دل پر اثر کرتے ہیں تو اس وقت بندے کا باطن یا تو مسرور ہوتا ہے اور نفس مغلوب یا پھر باطن مغلوب ہوتا ہے اور نفس مسرور۔ایک سے دل کے قبض میں اس کے نفس کی کشادگی ہے اور دوسرے سے باطن کی کشادگی میں اس کے نفس کا قبض ہے۔

ایک اور اصطلاح اُنس و ہیبت ہے۔ ہیبت اور اُنس، سالکان راہ حق کے دو حال کا نام ہے۔ جب اللہ تعالیٰ بندے کے دل پر مشاہدہ جلال سے تجلّی فرماتا ہے تو اس وقت اس کے دل پر ہیبت طاری ہوجاتی ہے۔ پھر جب مشاہدۂ جمال سے تجلی فرماتا ہے تو اس کے دل پر محبت و انس کا غلبہ ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ اہل محبت اس کے جلال سے حیرت زدہ اور اہل اُنس و محبت اس کے جمال سے خوشی میں مگن ہوجاتے ہیں۔لہذا جو دل جلال الٰہی کی محبت کی آگ میں جلتے ہیں اور وہ دل جو اس کے جمال کے نور کے مشاہدہ میں تاباں ہیں ان کے درمیان یہ فرق ہے۔

اسی طرح ایک اور اصطلاح قہر و لطف کی ہے۔قہر و لطف یہ دو لفظ ایسے ہیں

جن سے مشائخ طریقت اپنے احوال کی تعمیر کرتے ہیں۔قہر سے ان کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تائید سے اپنی مرادوں کو فنا کریں اور اس کی خواہشوں سے نفس کو محفوظ رکھیں بغیر اس کے کہ اس میں ان کا کوئی مطلب ہو اور لطف سے ان کی مراد یہ ہے کہ اللہ کی تائید سے باطن کو باقی رکھیں اور ہمیشہ مشاہدے میں مشغول رہیں اور درجۂ استقامت میں حال انتہا تک برقرار رہے۔

نفی اور اثبات وہ اصطلاح ہے جو مشائخ طریقت نے تائید حق کے ساتھ صفت بشریت کی محو کو فنا و اثبات کے نام سے تعبیر کیا ہے۔صفت بشریت کی فنا کو نفی اور غلبۂ حقیقت کے وجود کو اثبات کہا ہے۔اس لئے کہ ''محو'' کل کے مٹ جانے کو کہتے ہیں اور کل کی نفی بجز صفات کے ذات پر ممکن نہیں ہے۔کیونکہ جب تک بشریت باقی ہے اس وقت تک ذات سے کل کی نفی کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں ہے لہذا ضروری ہے کہ مذموم صفات کی نفی خصائل محمودہ کے اثبات کے ساتھ کی جائے مطلب یہ ہے کہ معنی کے اثبات کے لئے اللہ سے معیت میں، دعوے کی نفی ہو، کیونکہ دعویٰ کرنا، نفس کے غرور کی قسم سے ہے جو انسان کی عام عادت ہے جب غلبۂ حقیقت میں، اوصاف مغلوب و مقہور ہو جاتے ہیں اس وقت کہا جاتا ہے کہ صفات بشریت کی نفی ،حق کی بقا کے اثبات کے ساتھ ہوگی۔

اسی طرح مسامرہ اور محادثہ کے دونوں لفظ کاملان طریقت کے احوال کی دو

حالتیں ہیں۔محادثہ کی حقیقت باطنی کیفیت سے متعلق ہے جہاں زبان کو خاموش رکھا جاتا ہے اور مسامرہ کی حقیقت، باطنی واردات کے چھپانے پر ہمیشہ خوش رہنا ہے۔ان کے ظاہری معنیٰ یہ ہیں کہ مسامرہ ایک وقت ہے جبکہ بندہ رات میں اللہ کے ساتھ ہو اور محادثہ وہ وقت ہے جو دن میں اللہ کے ساتھ ہو۔اسی بناپر رات کی مناجات کو مسامرہ اور دن کی دعاؤں کو محادثہ کہتے ہیں۔گویا دن کا حال کشف پر مبنی ہے اور رات کا حال خفا پر۔

علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین، باعتبار اصول یہ تینوں کلمے علم سے متعلق ہیں جو اپنے جاننے کے ساتھ ہیں اور اپنے جاننے کے بیان کی صحت پر غیر یقینی علم، علم نہیں ہوتا اور جب علم حاصل ہو جاتا ہے تو اس سے غیب وخفا مرتفع ہو کر مشاہدۂ عینی کی مانند بن جاتا ہے۔اس لئے کہ کل روز قیامت جب ہر مسلمان دیدار باری تعالیٰ سے مشرف ہوگا تو وہ بھی اسی صفت پر دیکھے گا جس صفت میں آج جانتا ہے اگر وہ دید اس کے خلاف ہوگی تو کل کی رویت یا تو صحیح نہ ہوگی یا اس کا علم درست نہ ہوگا۔حالانکہ یہ دونوں صفتیں توحید کے منافی ہیں۔اس لئے کہ مخلوق کو اس کا علم جو آج ہے وہ اسی کی طرف سے درست ہے اور کل اس کی رویت بھی اسی کی طرف سے درست ہوگی۔لہٰذا علم الیقین عین الیقین کی مانند اور حق الیقین، علم الیقین کی مانند ہوگا۔

ایک اور اصطلاح علم ومعرفت کی ہے۔ علماء اصول علم ومعرفت کے درمیان فرق نہیں کرتے اور دونوں کو ایک ہی کہتے ہیں۔ مشائخ طریقت ایسے علم کو جو معاملہ اور حال سے متعلق ہو اور اس کا عالم اپنے حال کو اس سے تعبیر کرے معرفت کہتے ہیں اور اس کے جاننے والے کو عارف، اور جو علم ایسا ہو جس کے صرف معنیٰ ہی ہوں اور وہ معاملہ سے خالی ہو اس کا نام علم رکھتے ہیں اور اس کے جاننے والے کو عالم کہتے ہیں لہذا وہ شخص جو کسی چیز کے معنی اور اس کی حقیقت کا عالم ہو اس کا نام عارف رکھا گیا ہے اور وہ شخص جو صرف عبارت جانتا ہو اور اس کی معنوی حقیقت سے ناآشنا ہو اس کا نام عالم رکھا گیا ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے ایک آخری اصطلاح شریعت وحقیقت سے متعلق ہے اس کا فرق بھی واضح کردوں کہ شریعت وحقیقت، مشائخ طریقت کے دو اصطلاحی کلمے ہیں جن میں سے ایک ظاہر حال کی صحت کو واضح کرتا ہے اور دوسرا باطن کے حال کی اقامت کو بیان کرتا ہے ان کی تعریف میں دو طبقے غلطی میں مبتلا ہیں۔ ایک علماء ظاہر ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ان میں فرق نہیں کرتے کیونکہ شریعت خود حقیقت ہے اور حقیقت خود شریعت ہے۔ دوسرا طبقہ ملحدوں و بے دینوں کا ہے جو ہر ایک کا قیام ایک دوسرے کے بغیر جانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جب حال حقیقت بن جائے تو شریعت اٹھ جاتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ

اسی باب کے آخر میں ''آخر نوع'' کے عنوان سے چند کلمات کی تعریف بیان کی گئی ہے جو مشائخ طریقت کے کلام میں بطور اصطلاح و استعارہ مستعمل ہیں۔ جن کی تفصیلات مشکل ہیں لیکن مختصراً یہاں بیان کی جاتی ہیں۔

الحق: اس سے مشائخ طریقت کی مراد رب العزت کی ذات پاک ہے۔

الحقیقہ: وصل الٰہی کے محل میں بندے کا قیام۔

الخطرات: طریقت کے وہ احکامات جو دل پر گذرتے ہیں۔

الوطنات: اس سے مراد وہ معانی ہیں جو متوطن کے باطن میں وارد ہوں۔

الطمس: عین کی ایسی نفی کہ اس کا اثر بھی نہ رہے۔

الرمس: عین کی ایسی نفی کہ دل پر اس کا اثر رہے۔

العلائق: ایسے اسباب ہیں جن سے طالب تعلق رکھنے کی وجہ سے مراد و مقصود سے رہ جائے۔

الوسائط: ایسے اسباب جن سے طالب تعلق رکھ کر مقصود و مراد کو حاصل کر لے۔

الزوائد: دل میں انوار کی زیادتی۔

الفوائد: اپنے ضروری اسرار کا ادراک کرنا۔

الملجا: اپنی مراد کے حصول میں دل پر اعتماد کرنا۔

المنجا: محل آفت سے دل کا نجات پا جانا۔

الکلیۃ: پورے طور پر بشری اوصاف میں مستغرق ہونا۔

اللوائح: اثبات مراد اور واردات کی نفی۔

اللوامع: دل پر نور کا ظاہر ہونا۔ اپنے تمام فوائد کے ساتھ۔

الطّوالع: دل پر معرفت کے نور کا روشن ہونا۔

الطّوارق: شب بیداری میں عبادت و ریاضت، دل پر خوشخبری یا فتنہ کی حالت کا طاری ہونا۔

السر: محبت و دوستی کے معاملات پوشیدہ رکھنا۔

النجویٰ: راز و نیاز کے ذریعہ تکلیفوں و مشکلوں سے تحفظ حاصل کرنا۔

الاشارۃ: بغیر الفاظ کا استعمال کئے اپنے مطالب بیان کرنا۔

الایماء: الفاظ کے بغیر ظاہری اشارہ۔

الوارد: معانی کا دلنشین ہونا۔

الانتباہ: دل کا ہوشیار ہونا غفلت سے۔

الاشتباہ: حق و باطل کے درمیان کسی چیز کا اس طرح مخلوط ہونا کہ حقیقت کا امتیاز نہ ہو سکے۔

القرار: معاملہ کی حقیقت پر کسی تردد کے بغیر سکون قلب حاصل کرنا۔

الانزعاج: راہ راست پر ہونے کے باوجود حالات میں اضطراب ہونا۔

اس کے علاوہ اہل طریقت کی توحید کی وضاحت کے لئے بھی چند اصطلاحات ہیں۔ اور یہ اصطلاحات بغیر کسی استعارہ کے استعمال ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر عالَم جس کا مطلب خدا کے علاوہ تمام موجودات ومخلوقات جن کی تعداد اٹھارہ ہزار اور بعض روایات کے مطابق پچاس ہزار ہے۔ المحد ث جو عدم سے وجود میں آیا ہو۔ القدیم جو تمام موجودات میں سب سے پہلے تھا، اب بھی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے یعنی خدائے پاک کی واحد ذات ۔ الازل جو ابتداء سے ماوریٰ تک ہو۔ الابد جو انجام سے بے نیاز ہو۔ الذات، اصلیت، حقیقت، ہستی اور وجود کا نام ہے۔ الصفت ، ایسی خوبی جو خود قائم نہ ہو مثلاً علم یا حسن وغیرہ۔ الاسم، کسی چیز کی اصلیت یا کیفیت کا تعارفی کلمہ یا اشارہ۔ التسمیہ ، ایسا تعارف جسمیں عظمت کا پہلو پوشیدہ ہو۔ النفی، کسی فانی چیز کا فنا ہونا ظاہر کرنا، الاثبات، ہو سکنے والی چیز کا وجود ثابت کرنا۔ الشیئان، ایسی دو چیزیں جن کا وجود ایک دوسرے کی موجودگی میں جائز ہو۔ الصذ ان، ایسی دو چیزیں جن میں سے ایک کا وجود دوسرے کی موجودگی میں کسی ایک حالت پر جائز نہ ہو البتہ مختلف حالتوں میں دونوں کا وجود الگ الگ جائز ہو۔ الغیر ان، دو چیزوں میں سے ایک کا وجود دوسرے کی فنا کے لئے جائز ہونا۔ الجوہر، کسی چیز کا مادہ یا اصل جو بذات خود قائم

ہو۔ العرض، ایسی صفت جو جوہر کے ساتھ قائم ہو۔ الجسم، ایسا مرکب جومختلف اجزاء سے تیار کیا گیا ہو۔ السؤ ال، اصلیت یا حقیقت معلوم کرنا، الجواب، مطلوبہ معلومات مہیا کرنا۔ الحسن، ایسی کیفیت جومتعلقہ چیز کے مناسب ہواور امرحق کے مطابق۔ القبیح، ایسی حالت جومتعلقہ چیز سے مناسبت نہ رکھتی ہواور امر الٰہی کے مخالف ہو۔ السفہ، حقیقی معاملہ کو چھوڑ دینا، الظلم، کسی چیز کا مناسب استعمال نہ کرنا۔ العدل، ہر معاملہ میں مناسب اور موزوں رویہ اختیار کرنا جس کے ذریعہ ہر چیز اپنا صحیح مقام حاصل کرے۔ الملک، جس کے قول وفعل پر اعتراض نہ ہو سکے۔

اصطلاحات تصوف کی چوتھی اور آخری قسم میں وہ اصطلاحات ہیں جو صرف صوفیہ کے درمیان رائج ہیں مثلاً الخاطر یعنی دل میں ایسے خیالات یا وسوسہ کا آنا جو کسی دوسرے خیال کے آنے پر زائل ہو جائے۔ الواقع، واقع سے مراد دل میں پیدا ہونے والی وہ کیفیت جو ''خاطر'' کے برعکس ہو۔ یوں تو خیالات تمام دلوں میں آتے ہیں مگر واقعات صرف حق تعالی کے نور سے معمور دلوں میں واقع ہوتے ہیں۔ ''الاختیار'' یعنی اپنے اختیار پر اختیار مولی کو ترجیح دے کر راضی برضا ہونا اور خیر وشر میں اللہ نے جو کچھ بندے کے لئے پسند فرمایا ہے اسے قبول کر لینا۔ ''الامتحان'' اس سے مراد اولیاء کرام کے دلوں کی آزمائش ہے ''البلاء'' بیماریوں میں مختلف قسم کی تکالیف کے ذریعہ اولیاء کے جسموں کی آزمائش کرنا۔ ''التحلی''

یعنی کسی اچھی قوم کے اقوال کو اپنانا جس سے اچھائی پیدا ہو۔ان میں اقوال زرّین بھی آتے ہیں جو مختلف قوموں کے دانشمندوں نے بیان کئے ہیں۔

اسی طرح ایک دوسرا کلمہ ''التجلی'' ہے یعنی اولیاء کرام کا دل کی آنکھ سے انوار الٰہی اور ذات حق کا اس طرح مشاہدہ کرنا کہ وہ چاہیں تو دیکھیں اور نہ چاہیں تو نہ دیکھیں۔ پھر ایک اور کلمہ ''التخلی'' ہے۔یعنی قرب الٰہی میں روکاوٹ پیدا کرنے والی تمام مصروفیات سے کنارہ کشی اختیار کر لینا اسے تخلیہ بھی کہتے ہیں۔''الشرود'' کا مطلب آفتوں، حجابوں اور بے چینی و بیقراری جیسی تمام کیفیات سے نجات حاصل کرنا۔''القصود'' کا مطلب مقصد حاصل کرنے کے لئے مصمّم ارادہ کرنا یعنی عزم صمیم۔''الاصطناع'' سے مراد ہے اللہ تعالی کا مومن کو تمام معاملات دنیوی سے مبرّ ا، لذت انسانی سے عاری اور خواہشات وصفات انسانی سے خالی کر کے مہذب بنانا۔''الاصطفاء'' یعنی اللہ تعالیٰ کا بندے کے دل کو خاص اپنی معرفت کے لئے منتخب کرنا۔''الاصطلام'' ایک لطیف آزمائش ہے جس کے ذریعہ بندے کے تمام ارادوں کو ختم کر کے غلبۂ حق کا بندے پر مسلّط کرنا اور اس کے دل کا امتحان لینا۔''الرین'' کفر و گمراہی کا ایک ایسا پردہ ہے جو صرف ایمان کی روشنی سے ہی چھوٹ سکتا ہے۔''الغین'' اس پردہ کو کہتے ہیں جو استغفار کے ذریعہ زائل کیا جاتا ہے۔اس کی دو قسمیں ہیں۔خفیف اور غلیظ حجاب غلیظ گناہ کبیرہ کرنے والوں

کے لئے اور حجاب خفیف سبھی لوگوں کے لئے ہیں خواہ وہ ولی ہوں یا عام انسان۔ چنانچہ حجاب خفیف کے لئے صرف استغفار پڑھنا ہی کافی ہے۔"التلبیس" کا مطلب ہے کسی چیز کو اصلیت وحقیقت کے برعکس دکھا کر وہم میں مبتلا کرنا۔ "الشرب" عبادت واطاعت کی مٹھاس، عظمت وبزرگی کا مزہ اور اُنس ومحبت کی خوشی کا نام شرب ہے۔ اسی طرح ایک اور اصطلاح الذوق ہے یہ بھی شرب کی طرح ہی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ شرب صرف آرام وراحت کے لئے استعمال ہوتا ہے جبکہ ذوق رنج وراحت دونوں صورتوں میں مستعمل ہے۔

سماع: اس سلسلہ کا گیارہواں اور آخری کشف سماع اور اس کی اقسام سے متعلق ہے۔ عام طور پر لوگ "سماع" سے مراد اُس خاص کیفیت کو سمجھتے ہیں جو اکثر صوفیہ کی محفل میں وجد کی شکل میں طاری ہو جاتی ہے۔ اور جب غلبہ زیادہ ہوتا ہے تو وہ کیفیت رقص میں تبدیل ہو جاتی ہے لیکن یہاں سید ہجویری نے سماع کے کئی پہلوؤں پر بالتفصیل روشنی ڈالی ہے۔

ان کے بیان کی شروعات ثبوب سماع سے ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ علم حاصل کرنے کے لئے حواس خمسہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسان ہر قسم کا علم ان میں سے کسی ایک ذریعہ سے حاصل کرتا ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ آوازوں کا علم قوت سماعت سے ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر چار حواس یعنی نادرات عالم کو

دیکھنا، خوشبو کو سونگھنا، عمدہ نعمتوں کو چکھنا اور نرم و گرم کو چھونا، عقل کے لئے رہنما بن سکتے ہیں، لیکن اہل سنّت کے نزدیک قوت سماعت کو قوت بصارت پر افضلیت حاصل ہے۔ اس کی بہترین مثال یہ ہے کہ ہم نے حق تعالی کو نہیں دیکھا صرف رسول اور پیغمبروں سے ان کے بارے میں سنا ہے۔ اس لحاظ سے سننا دیکھنے سے زیادہ افضل ہوا۔ اس کے علاوہ شریعت کے احکام کا انحصار بھی سننے پر ہے کیونکہ اگر سننا نہ ہو تو اثبات یا نفی نہیں ہوسکتی۔ انبیاء پیغام حق سناتے اور لوگ سن کر قبول کرتے اور ان کے فرمانبردار و جانثار بن جاتے، معجزہ دکھانے کے لئے بھی اس کی حقیقت بتائی جاتی اور لوگ سننے کے بعد ہی دیکھنے کی تمنا کرتے۔ ان دلائل کے باوجود بھی اگر کوئی سماع کی فضیلت سے انکار کرے تو یہ ایک طرح سے اسرار الشریعت اور حقائق کا انکار ہوگا۔

تمام سنی جانے والی باتوں میں سب سے زیادہ اہم، دل کے لئے مفید ظاہر و باطن کے لئے باعث ترقی اور کانوں کے لئے لذیز اللہ کا کلام ہے اور تمام اہل ایمان کو اس کے سننے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ طبیعت اس کے سننے اور پڑھنے سے بے چین نہیں ہوتی کیونکہ اس میں رقت بہت زیادہ موجود ہے۔ حتیٰ کہ کفار قریش راتوں کو چھپ کر حضور اکرمؐ کی نماز میں قرائت و تلاوت کو شوق سے سنتے تھے اور قرآن کے اس معجزہ یعنی اس کی لطافت و

رقت پر حیران رہ جاتے تھے۔ اس سلسلہ میں سید ہجویری نے بے شمار روایات و حکایات بیان فرمائی ہیں۔

قرآن پاک کے بعد سماع کے ضمن میں دوسرا موضوع اشعار سننے کے سلسلہ میں موضوع بحث ہے۔ کہتے ہیں کہ شعر سننا مباح ہے حضور اکرمؐ اور صحابۂ کرام نے اشعار پڑھے اور سُنے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ بلاشبہ بعض اشعار میں حکمت ہے اور یہ بھی فرمایا کہ حکمت مومن کا کھویا ہوا سامان ہے لہذا جہاں بھی ملے وہ اسے پورے استحقاق کے ساتھ حاصل کرے اس کے علاوہ آپ نے ایک عربی شاعر لبید کے کلام کی تعریف بھی فرمائی۔

کچھ لوگ اشعار کا سننا بُرا سمجھتے ہیں اور دوسری برائیوں میں مصروف ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ہر قسم کے اشعار سننے کو حلال کہتے ہیں اور غیر ادبی قسم کے اشعار بھی سُن کر اُس سے محظوظ ہوتے ہیں۔ جبکہ مشائخ کا طریقہ یہ رہا ہے کہ وہ بیشتر فرمان رسول سے استفادہ کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ شعر ایک ایسا کلام ہے کہ جس کا اچھا حصہ اچھا ہے اور بُرا حصہ بُرا ہے۔ (کلام حسنہ حسن و قبیحہ قبیح) جس بات کا نثر میں سننا حلال ہے جیسے کہ حکمت نصائح، آیات الٰہی میں استدلال اور حق کے دلائل میں غور کرنا وغیرہ تو اس کا نظم میں سننا بھی حلال اور جائز ہے۔ مختصر یہ کہ جس طرح فتنہ پھیلانے والے حسن پر نظر ڈالنا حرام ہے

اسی طرح کی نظم ونثر کوسننا بھی حرام ہے۔

قرآن اوراس کی قرأت سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ’’قرآن پڑھنے میں اپنی آوازوں کوسنوارو‘‘ یعنی جب بھی قرآن کی تلاوت کی جائے تو نہایت ہی سکون واطمینان کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر اور اُس کے معانی ومطالب سمجھتے ہوئے اُسے پڑھا جائے۔

سماع سے متعلق صوفیاء ومشائخ کے اقوال بھی شامل کتاب ہیں۔لیکن اختصار سے ہیں بعض جگہوں پر اختلافات کا ذکر بھی کیا ہے۔اوراس سلسلہ میں صوفیا کے مراتب کا بھی خصوصی طور پر ذکر ہے۔کہتے ہیں کہ صوفیوں میں سے ہر ایک کا سماع کے معاملہ میں ایک خاص مقام ومرتبہ ہے جس کے ذریعہ وہ سماع سے لطف اندوز ہوتا ہے جیسا کہ توبہ کرنے والے کے لئے سماع،معاون توبہ ہوتا ہے اوراس سے ندامت حاصل ہوتی ہے۔مشتاق دیدار کے لئے سبب دیدار، یقین کرنے والے کے لئے تاکید،مرید کے لئے تحقیق کا ذریعہ محبّ کے لئے تعلقات منقطع کرنے کا باعث اورفقیر کے لئے سماع ماسوی اللہ سے ناامیدی کی بنیاد بن جاتا ہے۔ در اصل سماع ایک آفتاب کی مانند ہے جوتمام چیزوں پر روشنی ڈالتا ہے مگراس روشنی سے استفادہ ہر چیز اپنی صلاحیت واہلیت کے مطابق کرتی ہے۔سورج کسی کو جلا دیتا ہے تو کسی کوجَلا دیتا ہے۔کسی کونوازتا ہے تو کسی کوختم کردیتا ہے۔سماع کے

متعلق تین فرقے بتاتے ہیں۔ ایک مبتدی دوسرا متوسط اور تیسرا درجہ کامل کا ہے پھر اس ضمن میں الگ الگ معاملات کا بیان ہے مختلف اوقات میں مختلف لوگوں پر مختلف قسم کے اثرات پائے جاتے ہیں اور متعدد مثالوں کے ذریعہ اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہوس انگیز قسم کے اشعار کے سماع کو مکروہ بتایا ہے۔ اور اس سے پرہیز کی تاکید بھی کی گئی ہے۔

ایک اور جگہ سماع کے شائقین کے دو گروہ بیان کئے ہیں ایک لاہی اور دوسرا الٰہی۔ لاہی کے پیرو خدا سے ڈرتے نہیں ہیں اور فتنہ انگیز مزاج رکھتے ہیں۔ جبکہ دوسرا گروہ الٰہی مجاہدہ اور ریاضت کے پابند ہوتے ہیں اور مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کر کے اپنے آپ کو تمام فتنوں سے محفوظ رکھتے ہیں وہ لوگ خدا کی حفاظت میں ہوتے ہیں۔ مگر ہمیں چاہیئے کہ ہم کسی گروہ سے تعلق نہ رکھیں یہی ہمارے لئے بہتر ہوگا۔ اور دوسروں کو بھی نصیحت دیں۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی مشائخ کے وجد، وجود اور تواجد سے متعلق ہے۔ وجد اور وجود دونوں ہی مصدر ہیں۔ وجد کے معنی غم واندوہ کے ہیں جبکہ وجود کے معنی پانے کے ہیں۔ اہل طریقت کے نزدیک وجد اور وجود سے ان دو حالتوں کا اثبات ہے جو سماع میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ایک غم واندوہ اور دوسرا حصول مراد کی کامیابی کی حالت کا اظہار کرتا ہے۔ غم واندوہ کی حقیقت، محبوب کا گم ہونا اور مراد کا نہ پانا ہے

اور حصول مراد کی حقیقت، مراد کا پانا ہے۔ حزن و وجد کے درمیان فرق یہ ہے کہ حزن اس غم کو کہتے ہیں جو اپنے نصیب میں ہو اور وجد اس غم کو کہتے ہیں جو محبت کے طریقہ پر دوسروں کے نصیب میں ہو۔ وجد ایک باطنی کیفیت ہے جو طالب و مطلوب کے درمیان ہوتی ہے کیونکہ کشف میں باطنی حالت کا بیان اور اس کے وجود کی کیفیت وکمیت کا نشان و اشارہ صحیح نہیں ہوسکتا اس لئے کہ مشاہدہ میں یک گونہ خوشی ہے اور خوشی طلب سے حاصل نہیں ہوتی ہے اور وجود ایک طلب ہے جو محبوب سے محبّ کو ملتی ہے اور اس کی حقیقت کا اظہار و اشارہ ناممکن ہے۔ جبکہ سید ہجویری کے نزدیک وجد، دل کو غم والم پہنچنے کا نام ہے خواہ وہ خوشی سے ہو یا غم سے، تکلیف سے ہو یا راحت سے اور وجود دلی غم کا آلہ ہے۔ اس سے مراد سچی محبت ہے۔ واجد کی صفت بحالت جوش اور شوق، حرکت ہوگی یا بحالت کشف، مشاہدہ کی حالت کے موافق سکون ہوگی۔ لیکن آہ وفغاں کرنے، گریہ وزاری کرنے، غصہ کرنے راحت پانے، تکلیف اٹھانے اور خوش ہونے کی صورت میں مشائخ طریقت کا اختلاف ہے۔

مشائخ فرماتے ہیں کہ وجود مریدوں کی صفت ہے اور وجد عارفوں کی توصیف چونکہ عارفوں کا درجہ مریدوں سے بلند ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ ان کی صفت بھی ان سے بلند تر اور کامل تر ہو۔

وجد اور وجود کے بعد اگلا موضوع ''رقص'' سے متعلق ہے۔ دراصل شریعت اور طریقت دونوں میں رقص کی کوئی اصل نہیں ہے اور تمام عقلاء کا اتفاق ہے کہ یہ لغو ہے کوئی بزرگ اسے پسند نہیں کرتا اور نہ اس میں کسی نے غلو کیا ہے بیہودہ لوگوں کا ایک گروہ ہے جو اسکی تقلید کرتا ہے۔ الغرض رقص، شرعاً اور عقلاً تمام لوگوں کے لئے برا ہے۔ دوسری کیفیت کپڑے پھاڑنے کی ہے۔ سید ہجویری نے اس ضمن میں وضاحت فرمائی ہے کہ کپڑے پھاڑنا صوفیاء کرام کے درمیان مشہور عادت ہے۔ لیکن علماء کے کچھ گروہ ایسے بھی ہیں جو اس کے منکر ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ درست کپڑے کو پھاڑنا ناجائز ہے۔ البتہ بحالت سماع، سامع پر ایسا غلبہ طاری ہو جائے جس میں ہوش وحواس جاتے رہیں تو پھر وہ معذور اور بے خبر کہلائے گا۔

اہل طریقت کے کپڑے پھاڑنے کے سلسلہ میں تین قسم کے لوگ آتے ہیں ایک وہ جو درویش خود اپنے کپڑے پھاڑے یہ بحالت سماع، غلبۂ حال کے حکم میں ہوگا۔ دوسرے وہ لوگ جو مرشد و مقتدا کے حکم سے کپڑے پھاڑیں مثلاً کوئی استغفار و توبہ کی حالت میں کسی جرم کے سبب کپڑے پھاڑے اور وجد وسکر کی حالت میں کپڑے پھاڑے۔ ان میں سب سے مشکل وہ کپڑے پھاڑنا ہے جو سماع میں کرتے ہیں۔ یہ دو قسم کے لوگ ہیں ایک مجروح و زخمی دوسرے صحیح و درست۔ مجروح کی دو شرطیں ہیں یا کپڑے کو سی کر اسے دیدیں یا کسی اور درویش کو

دیدیں یا تبرکاً پھاڑ کر تقسیم کر دیں۔

آداب سماع کے بیان میں: سید ہجویری نے سماع کے کچھ آداب بیان فرمائے ہیں اس ضمن میں شرط یہ ہے کہ جبتک ضرورت نہ ہو سماع نہ کرے، اور اسے عادت نہ بنائے لیکن کبھی کبھی سماع کر لے۔ سماع کے وقت لازم ہے کہ مجلس میں کوئی مرشد موجود ہو اور مقام سماع عوام سے خالی ہو، قوال صاحب عزت ہوں۔ دل مشاغل سے خالی ہو۔ جب تک قوت سماع ظاہر نہ ہو نہ سنے۔ سامع پر لازم ہے کہ اس میں اتنی قوت ہو کہ وارد حق کو قبول کر سکے۔ اور جب وارد حق کا غلبہ دل پر ظاہر ہو تو اسے بتکلف اپنے سے دور نہ کرے۔ جب سامع کی قوت برداشت جاتی رہے تو بتکلف جذب نہ کرے اور لازم ہے کہ بحالت حرکت کسی سے مدد کی توقع نہ رکھے۔ اگر کوئی مدد کرے تو منع بھی نہ کرے۔ کسی کے سماع میں دخل نہ دے اور اسکا وقت خراب نہ کرے نہ ہی اس کے حالات میں تصرف کرے۔ قوال کے کلام پر اپنی اچھی یا بری رائے زنی نہ کرے۔ ہجویری فرماتے ہیں کہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ مبتدیوں کو سماع کی اجازت نہ دیں تا کہ ان کی طبیعت میں یکسوئی رہے۔ کیونکہ پراگندگی میں کئی خرابیاں ہیں۔ اور ان جاہل صوفیوں کے لئے جنہوں نے ان تمام باتوں کو اپنا عین مذہب بنا رکھا ہے اور صداقت کو درمیان سے ہٹا دیا ہے، دعا کرتا ہوں، خدا سے استغفار کرتا ہوں تا کہ اللہ تعالی ہم سب

کے ظاہر و باطن کو ہر قسم کی آفتوں سے محفوظ رکھے۔اور اس آخری کشف کے اختتام کے ساتھ ہی سید صاحب نے اپنی کتاب کو بھی ختم کر دیا ہے ساتھ ہی اپنے قارئین سے درخواست کی ہے کہ وہ ان کی اس کتاب کے احکام اور ان کے حقوق کی رعایت کو ملحوظ رکھیں۔

کشف المحجوب پر کوئی تبصرہ تو درکنار اس کے تعارف کے لئے بھی یہ مختصر سی تصنیف کافی نہیں ہے۔کشف المحجوب کے جو حوالے اور اقتباسات پیش کئے گئے ہیں ان کا مقصد صرف اس بیان پر اصرار ہے کہ شیخ ہجویری کی اس تصنیف میں وہ تمام عناصر اور خواص موجود ہیں جو درسیات کی موجودہ اصطلاح میں اس کو تصوف کا ایک مکمل نصاب بلکہ اولین نصاب قرار دینے کے لئے کافی ہیں۔اللہ رب العزت سے اس دعا کے ساتھ یہ تحریر اختتام کو پہونچتی ہے کہ اس کو شرف مقبولیت عطا فرمائے۔آمین

مآخذ

۱۔ آب کوثر: شیخ محمد اکرام، لاہور، ۱۹۴۰ء

۲۔ احوال وتعلیمات شیخ ابوالحسن ہجویری داتا گنج بخش: ڈاکٹر محمد باقر، لاہور ۱۹۸۹ء

۳۔ بزم صوفیہ: سید صباح الدین عبدالرحمٰن، اعظم گڑھ ۱۹۴۹ء

۴۔ تاریخ تصوف دراسلام: دکتر قاسم غنی، تہران ۱۳۲۲ھ

۵۔ تاریخ مشائخ چشت: خلیق احمد نظامی

۶۔ تحقیقات چشتی: مولوی نوراحمد چشتی

۷۔ تذکرہ نویسی درزبان فارسی: آذرمیدوخت ۲۰۱۲ء

۸۔ تصوف دراسلام: عبدالماجد دریابادی، اعظم گڑھ ۱۹۴۶ء

۹۔ زکوٰۃ احکام ومسائل: محمد رضی الاسلام ندوی بارہمولہ، کشمیر

۱۰۔ داتا گنج بخش اوران کا عہد: خالد محمود، لاہور ۱۹۸۷ء

۱۱۔ شیخ علی ہجویری: حیات وخدمات: مرتب، ڈاکٹر عبدالحلیم اخگر، ۲۰۱۲ء

۱۲۔ فوائدالفواد: امیر حسن علا سجزی، لکھنؤ، ۱۹۰۸ء

(مترجم: خواجہ حسن نظامی، ۲۰۰۷ء)

۱۳۔ کشف الظنون: حاجی خلیفہ، قاہرہ، ۱۹۴۱ء (جلد ۲)

۱۴۔ کشف المحجوب: نسخۂ تہران، ۱۹۷۸ء

۱۵۔ کشف المحجوب: اردوترجمہ: مترجم محمد طفیل، ۱۹۸۱ء

۱۶۔ " " " : غلام معین الدین نعیمی، دہلی ۱۹۹۸ء

۱۷۔ مآثرالکرام: غلام علی آزاد بلگرامی، حیدرآباد، ۱۹۱۰ء

۱۸۔ نزہت الخواطر (اردوترجمہ مقبول اکیڈمی، لاہور) جلداول

۱۹۔ نفحات الانس: نورالدین عبدالرحمٰن جامی

تعارف

نام : ڈاکٹر زہرہ خاتون

قلمی نام : زہرہ فاروقی

تعلیم وتدریس: ایم اے (فارسی) پی ایچ ڈی، بی ایڈ: جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

بی لِب: انا ملائی یونیورسٹی

NET: یو جی سی

☆ صدر جمہوریہ ایوارڈ برائے فارسی اسکالر ۲۰۰۵ء

☆ نور مائیکر وفلم، ایران کلچر ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء تا ۲۰۰۴ء

اس اثناء میں دہلی کی مختلف لائبریریوں میں فارسی اور عربی کے تقریباً ساڑھے تین ہزار مخطوطات کی فہرست نگاری (کیٹالاگنگ)

☆ سابقہ تصنیف ''اودھ کے فارسی گوشعراء'' مطبوعہ ۲۰۰۳ء میں اودھ کے ایک سو شعرائے فارسی کے تذکرے اور نمونۂ کلام شامل ہیں (دہلی اردو اکادمی سے انعام یافتہ)

☆ اردو اور فارسی میں تقریباً دو درجن مقالات مختلف جرائد میں شائع ہوئے۔

☆ تدریس زبان فارسی شعبۂ تاریخ جواہر لال نہرو یونیورسٹی ۲۰۰۲ء تا ۲۰۱۰ء (۱۶ر سمسٹر)

☆ شعبہ فارسی جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی، ۱۹۹۴ء تا ۱۹۹۶ء اور ۲۰۰۷ء تا ہنوز